Phone 80800

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

نومبر 1964

ارشاد خداوندی

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامنت الی اھلھا ۔ واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل.... (۴/۵۸)

اللہ کا یہ تاکیدی حکم ہے کہ حکومت کی ذمہ داریاں تمہارے پاس خدا کی بہت بڑی امانتیں ہیں ۔ ان امانتوں کو ان کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہوں ۔ یہ ذمہ داریاں ایسے لوگوں کے سپرد مت کرو جو ان سے عہدہ برا ہونے کے قابل نہ ہوں ۔ دوسرے یہ کہ جب تم لوگوں کے معاملات میں فیصلہ کرو تو یہ فیصلہ ہمیشہ عدل و انصاف کے مطابق ہونا چاہئے ۔

شائع کردہ

ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ لاہور

قیمت فی پرچہ ۔ ایک روپیہ

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

بدلِ اشتراک
پاک و ہند سے سالانہ دس روپے
غیر ممالک سے سالانہ ایک پونڈ

قیمت فی پرچہ
پاک و ہند سے
ایک روپیہ

ٹیلیفون نمبر (۸۰۰۸۰)
خط و کتابت کا پتہ
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵/بی۔ گلبرگ۔ لاہور

جلد ۱۷ | نومبر ۱۹۶۴ء | شمارہ نمبر ۱۱

فہرستِ مضامین

لمعات	۲
رابطہ باہمی	۲۱
حقائق و عبر — (۱) قیاسات کی جنگ (۲) مجرم کون ہے؟	۲۳
قرآن کا معاشی نظام محترم حسن الشرباصی السیفوی) ترجمہ سید نصیر شاہ۔	۲۵
پختونستان	۵۸
مجلس اقبال	۶۵
باب المراسلات — (۱) ولا تشتروا بآیٰتی	۷۵
(۲) روس میں سزائیں۔	
بچوں کا صفحہ	۷۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

انتخابات ــــ جذبات یا عقل

جب کوئی شخص جذبات سے مغلوب ہو جائے تو وہ کوئی معقول بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ وہ اس (MOOD) میں ہی نہیں ہوتا کہ پیش آمدہ مسئلہ پر عقل و بصیرت کی رُو سے غور کرے اور دلائل و براہین کے مطابق کسی فیصلے پر پہنچے ــــ

جو حالت افراد کی ہوتی ہے وہی اقوام کی بھی ہوتی ہے۔ جب اقوام بھی جذبات کے سیلاب میں بہہ جائیں تو وہ عقل و دانش اور فہم و تدبّر کی رُو سے معاملات کے فیصلے نہیں کرتیں۔ اور یہی چیز ان کی تباہی کا موجب بن جاتی ہے۔

لیکن قرآن کریم کسی حالت میں بھی عقل و بصیرت کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہاں تک کہ وہ میدانِ جنگ تک میں فتح اور شکست کا ایک معیار یہ بتاتا ہے کہ جو قوم تفقہ سے کام نہیں لیتی وہ شکست کھا جاتی ہے (۸/۶۵) اس کی تعلیم یہ ہے کہ جذبات کو عقل کے تابع رہنا چاہیئے اور عقل کو وحی کی راہ نمائی میں چلنا چاہیئے۔

طلوعِ اسلام قرآنی تعلیم کا نقیب ہے اس لئے اس کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ ہر ایسے موقع پر جہاں جذبات کے سیلاب اُمنڈ رہے ہوں، معاملات پر ٹھنڈے دل سے غور کرے۔ قرآن سے راہ نمائی حاصل کرے اور اُسے دلائل و براہین کی رُو سے پیش کرے۔

اس وقت ہماری قوم بری طرح سے جذبات کے سیلاب میں بہے چلی جا رہی ہے۔ یُوں تو مغربی سیاست کی بدولت، انتخابات کی وبا ہر جگہ آندھی بن کر اُٹھتی اور جھکڑ بن کر چھا جاتی ہے لیکن ہمارے ہاں بدقسمتی سے اس نے اور ہی شکل اختیار کر لی ہے۔ یہاں ان جذبات کو مشتعل کیا جا رہا ہے جن کا تعلق قلب انسان کے نہایت نرم و نازک گوشوں سے ہوتا ہے۔ اسی بنا پر ہم نے ضروری سمجھا ہے کہ حالات کا نہایت ٹھنڈے دل سے جائزہ لیا جائے اور یہ دیکھا جائے

کہ ایسی صورت میں صحیح راہ عمل کیا ہے۔

قارئین اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ پاکستان سے ہماری وابستگی اس بنا پر ہے کہ اس مملکت میں قرآنی نظام متشکل ہو جانے کا امکان ہے۔ اور چونکہ مملکت کے لئے ایک خطۂ زمین کا ہونا لابدی ہے اس لئے اس خطۂ زمین کا تحفظ اور استحکام ہمارے لئے تقاضائے ایمان اور جزوِ زندگی ہے۔ اگر اس سلسلہ میں ہمارے سامنے شخصیتیں آتی ہے تو ان کے ساتھ ہمارے تعلقات (تائید یا مخالفت) کی بنیاد بھی یہی حقیقت ہوتی ہے۔ ہم موجودہ انتخابات کے مسئلہ کا جائزہ بھی اسی روشنی میں لیں گے۔

صدارتی انتخاب کے لئے اس وقت تک دو ہی امیدوار ہیں۔ ایک موجودہ صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں اور دوسری طرف محترمہ مس فاطمہ جناح، جنہیں ملک کی پانچ سیاسی جماعتوں نے متحدہ طور پر اپنا امیدوار منتخب کیا ہے۔ یہ پانچ جماعتیں ہیں ——— کونسل مسلم لیگ۔ نظام اسلام۔ عوامی لیگ۔ نیشنل عوامی پارٹی۔ اور جماعت اسلامی۔ ہم سب سے پہلے مختصر الفاظ میں ان پارٹیوں کے پس منظر، ہیئت کذائی اور اسلام اور نظریۂ پاکستان کے متعلق ان کے رویہ کی بابت وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ اس اتحاد کی علت غائی سامنے آجائے۔

کونسل مسلم لیگ کونسل مسلم لیگ کے صدر خواجہ ناظم الدین صاحب ہیں۔ حزب (بلکہ احزاب) مخالف میں اس (لیگ) کی پوزیشن کیا ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس وقت تک محترمہ مس فاطمہ جناح کے دورے کے سلسلہ میں جہاں جہاں جلوس نکلے اور جلسے منعقد ہوئے ہیں اُن میں ان کا مقام حاشیہ نشینوں (CAMP FOLLOWERS) سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ ویسے بھی اگر یہ پارٹی اپنے اندر کچھ بھی طاقت دیکھتی تو ان کے پاس پاکستان کی آئیڈیالوجی اور محترمہ مس فاطمہ جناح کی تائید ایسے جذباتی مہرے تھے جن کی موجودگی میں انہیں اس قسم کے عناصر کا دم چھلا بننے کی ضرورت ہی نہیں تھی جو پاکستان کے دشمن اور اسلام کے نام تک سے متنفر ہیں۔ اگر ان کا جذبۂ محرکہ اس مسلم لیگ کا احیاء ہوتا جو پاکستان کی آئیڈیالوجی کی علمبردار تھی تو یہ محترمہ مس فاطمہ جناح کو اس کا صدر بناتے اور اسی مقصد کو سامنے رکھ کر اس کی تنظیم نو کرتے۔ لیکن حالات صاف بتا رہے ہیں کہ ان کے پیش نظر صرف حصولِ اقتدار تھا۔ پہلے ان کا خیال تھا کہ مسلم لیگ کے نام میں اس قدر جاذبیت ہے کہ لوگ اس کی وجہ سے جوق در جوق ان کے ساتھ شامل ہو جائینگے۔ لیکن جب ان کی یہ توقع غلط ثابت ہوئی تو انہوں نے محترمہ مس فاطمہ جناح کے دامن میں پناہ لینا مناسب سمجھا۔ اور اس کے ساتھ ہی ایسے عناصر کو سپر بنایا جو آج بھی مسلم لیگ کے نام سے اسی طرح بیزار ہیں جس طرح تحریک اور تشکیلِ پاکستان کے وقت اس سے بیزار اور پاکستان کی آئیڈیالوجی سے متنفر تھے۔

نظامِ اسلام نظامِ اسلام کے متعلق اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ یہ جماعت اسلامی کی تابعِ مہمل ہے۔ لہٰذا اس جمعیتِ احزاب میں یہ کسی گنتی شمار میں ہی نہیں۔ درحقیقت یہ پارٹی چوہدری محمد علی صاحب ہی کا دوسرا نام ہے اور چوہدری صاحب کا ملک میں اس سے زیادہ تعارف اور کیا ہے کہ وہ کسی زمانے میں حکومتِ پاکستان کے وزیرِ اعظم تھے، اگر حزبِ مخالف کو اقتدار حاصل ہوگیا تو (ان کے اندازے کے مطابق) وزارتِ عظمےٰ کے لئے نگاہِ انتخاب انہی پر جا کر ٹکے گی۔ لیکن ان کے مدِ مقابل خواجہ ناظم الدین صاحب ہونگے جو نہ صرف وزیرِ اعظم بلکہ گورنر جنرل بھی رہ چکے ہیں نظامِ اسلام پارٹی نے آج تک یہ بھی نہیں بتایا کہ اگر ان کے پیشِ نظر اسی قسم کا اسلامی نظام قائم کرنا ہے جس کی مدعی جماعت اسلامی ہے تو انہوں نے اپنی پارٹی الگ کیوں قائم کر رکھی ہے اور اگر ان کا اسلامی نظام جماعت اسلامی کے اسلامی نظام سے مختلف ہے تو ان کے اسلامی نظام کے خدوخال کیا ہیں؟

عوامی لیگ مارچ ۱۹۵۰ء میں برکت علی ہال لاہور میں ایک کنونشن حسین شہید سہروردی مرحوم کی قیادت میں منعقد ہوئی جس میں وزیرِ اعظم لیاقت علی خاں کی مسلم لیگ کے مقابلے میں عوامی مسلم لیگ کے نام سے ایک نئی جماعت کا قیام عمل میں آیا۔ اس میں تحریکِ پاکستان کے ان لیڈروں اور کارکنوں کی اکثریت شامل تھی جو وزیرِ اعظم لیاقت علی خاں مرحوم، وزیرِ اعلےٰ سرحد خاں عبدالقیوم خان اور وزیرِ اعلےٰ مشرقی پاکستان کی روش سے بدظن ہو کر حزبِ اختلاف کا ایک نیا پلیٹ فارم قائم کرنے کے درپے تھے۔ اس میں خان عبدالستار خاں نیازی، خان غلام محمد خاں لونڈ خور، پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب زکوڑی شریف اور بہت سے اور مسلم لیگی شامل تھے۔

کچھ عرصہ بعد سابق پنجاب کے محروم اقتدار وزیرِ اعلیٰ خاں افتخار حسین ممدوٹ نے بھی اپنے رفقاء سمیت سہروردی صاحب سے تعاون کا فیصلہ کیا اور عوامی مسلم لیگ کا نیا نام جناح عوامی مسلم لیگ تجویز ہوا۔ لیکن نواب ممدوٹ زیادہ عرصہ تک سہروردی صاحب کے ساتھ نہ چل سکے اور الگ ہو کر بعد میں ری پبلکن پارٹی میں شامل ہوگئے اور جماعت کا نام محض "عوامی لیگ" باقی رہ گیا۔ اس مرحلہ پر مولانا بھاشانی اور ان کے کچھ ہم خیال بھی عوامی لیگ میں شامل ہوگئے اور پھر جب مارچ ۱۹۵۴ء میں مشرقی پاکستان کے عام انتخابات کا مرحلہ قریب آیا تو کرشک سرمک پارٹی، نظامِ اسلام پارٹی، عوامی مسلم لیگ اور مشرقی پاکستان کی دیگر چھوٹی بڑی سیاسی جماعتیں انتخابات میں مسلم لیگ کو شکست دینے کے لئے جگتو فرنٹ کے نام پر عوامی محاذ کی صورت میں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئیں۔ جگتو فرنٹ نے مسلم لیگ کو شکست فاش دی۔ لیکن جب وہاں حکومت قائم کرنے کا سوال آیا تو محاذ میں پھوٹ پڑ گئی۔ مولوی اے کے فضل الحق مشرقی پاکستان کے وزیرِ اعلےٰ بن گئے اور سہروردی صاحب کی عوامی لیگ نے حزبِ اختلاف کی صورت اختیار کر لی ۱۹۵۶ء میں جب سہروردی صاحب پاکستان کے وزیرِ اعظم تھے تو ان کی خارجہ پالیسی سے شدید اختلاف کی بنا پر مولانا بھاشانی اور ان کے ساتھی عوامی لیگ سے علیحدہ ہوگئے۔ اور ایک نئے سیاسی پلیٹ فارم کا رُخ کر لیا۔ یہ پلیٹ فارم نیشنل عوامی کا پلیٹ فارم تھا۔

نیشنل عوامی پارٹی اس پارٹی کی داستان بھی بڑی عجیب وغریب سی ہے۔ اور اس کا آغاز میاں افتخار الدین مرحوم کی انوکھی شخصیت سے ہوتا ہے۔ میاں صاحب تحریکِ پاکستان کے آخری ایام میں مسلم عوام کے جوش وخروش سے متاثر ہو کر پنجاب کانگرس کی صدارت سے مستعفی ہوئے اور مسلم لیگ میں شامل ہو کر تحریکِ پاکستان کے علمبردار بن گئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ صوبائی مسلم لیگ کے صدر اور نواب ممدوٹ کی صوبائی کابینہ میں بطور وزیر شامل تھے انہوں نے سردار شوکت حیات سے مل کر کابینہ سے علیحدگی اختیار کی اور پھر سردار شوکت حیات، میاں محمود علی قصوری اور کچھ دیگر کارکنوں کو ساتھ ملا کر آزاد پاکستان پارٹی قائم کی۔ اس پارٹی کو سابق پنجاب میں بھی جب کوئی مقبولیت حاصل نہ ہوئی تو میاں صاحب نے دوڑ دھوپ کی اور لاہور کی ایک کنونشن میں نیشنل عوامی پارٹی کے نام سے ایک نئی پارٹی کا قیام عمل میں آیا۔ سابق صوبہ سرحد کے خان عبدالغفار اور اُن کی سرخپوش جماعت، سابق سندھ کے جی۔ ایم سید، شیخ عبدالمجید سندھی اور رئیس غلام مصطفےٰ خاں جھرگری کے عوامی محاذ، مشرقی پاکستان کے مولانا بھاشانی بلوچستان کے گاندھی عبدالصمد خاں اچکزئی اور شہزادہ عبدالکریم اور خلاف قانون کمیونسٹ پارٹی کے ارکان کی اکثریت، اس جماعت میں شامل ہو گئی۔ اور وہ تمام عناصر جنہوں نے جی بھر کر تحریکِ پاکستان کی مخالفت کی تھی (اور اس وقت بھی پاکستان کی سالمیت کو ختم کرنے کے علاوہ ان کے سامنے اور کوئی ٹھوس مقصد نہیں تھا) اس پارٹی میں دھڑا دھڑ شامل ہوتے گئے۔ وحدتِ مغربی پاکستان کو ختم کرنا اس پارٹی کا نصب العین اور نعرہ قرار پایا اور جب بھی انہیں ملک میں انتشار برپا کرنے کا کوئی موقع میسر آیا، انہوں نے اسے ضائع ہونے نہیں دیا۔ میاں افتخار الدین وفات پا گئے اور اس کی قیادت بدستور مولانا بھاشانی سرحد کے سرخپوشوں اور سندھ کے عوامی محاذ کے لیڈروں کے ہاتھ میں رہی۔ اس کے کارکنوں کی بیشتر تعداد کمیونسٹ پارٹی کے تربیت یافتہ اور سرگرم کارکنوں پر مشتمل چلی آ رہی ہے۔ خان عبدالغفار، عبدالصمد خاں اچکزئی، جی۔ ایم۔ سید، شیخ عبدالمجید سندھی، رئیس بھرگری ان سب کی زندگیوں اور سابقہ کردار پر نگاہ ڈالنے، پاکستان کی اندھا دھند اور بھرپور مخالفت کے سوا اور کوئی امتیازی پہلو نظر نہیں آئے گا۔

جماعت اسلامی اب آیئے جماعت اسلامی کی طرف۔ جیسا کہ اب ہر شخص کو معلوم ہے (اور قارئین طلوعِ اسلام اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں) یہ جماعت شروع ہی سے تحریکِ پاکستان کے خلاف تھی اور قائدِ اعظمؒ کی ذات سے انہیں اس قدر عناد تھا کہ انہوں نے انہیں تشکیلِ پاکستان کے بعد بھی نہیں بخشا اور ان کے خلاف ہر قسم کی دریدہ دہنی سے کام لیا ——— اسلام کی الف۔ بے تک سے ناواقف۔ مغربی ٹیکسال میں ڈھلا ہوا۔ دین کا دشمن۔ کافرانہ حکومت کا داعی۔ سیاسی بازیگر۔ اور اس قسم کے اور بیسیوں القابات سے انہیں نوازتے رہے۔ یہ جماعت اقامتِ دین کی دعوت کی علمبردار بنتی ہے لیکن ان کی شریعت میں حصولِ مقصد کے لئے ہر وہ حربہ نہ صرف جائز بلکہ واجب ہو جاتا ہے جسے مغرب کی ابلیسی سیاست نے دنیا میں عام کر رکھا ہے۔ انہوں نے اس سے پیشتر اس سلسلہ میں جو کچھ کیا ہے اسے چھوڑیئے۔ خود مس فاطمہ جناح کے امیدوار صدارت کے مسئلہ پر جس طرح شریعت کی مٹی پلید کی گئی ہے وہ

ان کا تازہ ترین کارنامہ ہے اس مسئلہ کو ہم ذرا تفصیل سے پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

کیا عورت امیر ہو سکتی ہے حزبِ مخالف کی مجلسِ مشاورت میں جب صدارت کے لیے اُمیدوار نامزد کرنے کا سوال سامنے آیا تو جماعت اسلامی کے نمائندگان کا مؤقف کیا تھا اس کے متعلق خود اُنہی کی زبان سے سنئے۔ اُنہوں نے اپنے شائع کردہ پمفلٹ میں لکھا ہے۔

"جب یہ مرحلہ آیا تو ہم اس پیچیدہ صورتِ حال سے دوچار ہو گئے کہ چار جماعتوں نے محترمہ مس فاطمہ جناح کو منتخب کرنے پر اتفاق کر لیا ہے جسے قبول کرنا ان شرعی احکام کی موجودگی میں ہمارے لئے مشکل تھا جن کی رُو سے کوئی عورت مسلمانوں کی امیر نہیں ہو سکتی۔ اسی بناء پر ہم نے صدارت کے مسئلہ میں حزبِ اختلاف کے ساتھ اتفاق یا ان سے علیحدگی کا کوئی اعلان نہیں کیا تاکہ مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا اچھی طرح جائزہ لینے اور اہلِ علم سے مشورہ کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کیا جائے۔"

اس بیان سے واضح ہے کہ اس جماعت کے سامنے اس سے پہلے یہ مسئلہ آیا ہی نہیں تھا (کہ عورت مسلمانوں کی امیر ہو سکتی ہے یا نہیں) اور یہ اس سے یکایک دوچار ہو گئے تھے اس لئے اُنہوں نے ضروری سمجھا کہ اہلِ علم کے ساتھ مشورہ کے بعد اس سوال پر غور و خوض کیا جائے اور پھر کسی فیصلہ پر پہنچا جائے۔

یہ جھوٹ ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر آپ دیکھینگے، اس مسئلہ پر ان کا فیصلہ پہلے سے موجود تھا اور اس کے متعلق ان کے امیر سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب شرح وبسط سے لکھ چکے ہیں۔ اس کے بعد (محولہ بالا پمفلٹ میں) لکھا ہے۔

"اب کافی غور اور مشورے کے بعد جماعت جس نتیجے پر پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ شریعت میں جو چیزیں حرام ٹھہرائی گئی ہیں ان میں سے بعض کی حرمت تو ابدی اور قطعی ہے جو کسی حالت میں حلت سے تبدیل نہیں ہو سکتی۔ اور بعض کی حرمت ایسی ہے جو شدید ضرورت کے موقعہ پر ضرورت کی حد تک جواز میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ اب یہ واضح ہے کہ عورت کو امیر بنانے کی ممانعت ان حرمتوں میں سے نہیں ہے جو ابدی اور قطعی ہیں بلکہ دوسری قسم کی حرمتوں میں ہی اس کا شمار ہو سکتا ہے۔"

اس کے بعد اُنہوں نے لکھا ہے کہ ملک میں جو حالات پیدا ہو چکے ہیں ان کے پیشِ نظر۔

"اس انتخاب کو قبول کر لینا شرعاً ناجائز نہ ہوگا۔ اس کے ساتھ جماعت یہ امر بھی پوری طرح واضح کر دینا چاہتی ہے کہ اصل شرعی قاعدہ علیٰ حالہٖ قائم ہے اور موجودہ غیر معمولی حالات میں اس طرح کا کوئی فیصلہ آئندہ کے لئے نظیر نہیں بن سکتا۔"

اس سے پہلے اب آپ دیکھئے کہ اس سے پہلے یہ جماعت اس باب میں "از روئے شریعت" کیا فیصلے کر چکی ہوئی ہے۔ جب پاکستان کی مجلس دستور ساز میں آئین کا مسئلہ زیر غور تھا تو مودودی صاحب نے اپنی دستوری تجاویز بھی پیش کی تھیں۔ ان میں ایک شق یہ بھی تھی۔

(۷) مجالس دستور ساز کی رکنیت کا حق عورتوں کو دینا مغربی قوموں کی اندھی نقالی ہے۔ اسلام کے اصول اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتے۔ اسلام میں سیاست اور انتظام ملکی کی ذمہ داری صرف مردوں پر ڈالی گئی ہے اور یہ فرائض عورتوں کے دائرہ عمل سے خارج ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مودودی صاحب نے کس حتم و یقین کے ساتھ کہا ہے کہ اسلام کے اصول اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتے کہ عورتیں سیاست اور ملکی انتظام کے معاملات میں دخیل ہوں۔ یہ فرائض عورتوں کے دائرہ عمل سے خارج ہیں۔ اس لئے، صدارت تو ایک طرف، وہ اسے بھی از روئے شریعت جائز نہیں سمجھتے تھے کہ عورتیں مجالس قانون ساز کی ممبر بن جائیں۔

جب ان کی اس تجویز پر اعتراض ہوا تو انہوں نے ترجمان القرآن کی اشاعت بابت ستمبر ۱۹۵۲ء میں ان اعتراضات کا تفصیلی جواب دیا اور قرآن و احادیث سے ثابت کیا کہ عورتوں کے لئے ملکی انتظامات میں حصہ لینا قطعاً جائز نہیں۔ انہوں نے پہلے سورۃ النساء کی آیت اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ..... الخ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا۔

"کیا اللہ کے متعلق آپ کا یہ گمان ہے کہ وہ گھر میں تو عورت کو قوام نہ بنائے گا لیکن کسی لاکھ گھروں کے مجموعہ (یعنی مملکت) پر اس کو قوام بنا دے گا۔"

اس کے بعد انہوں نے سورۂ احزاب کی آیت وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ..... الخ سے ثابت کیا کہ عورت کا دائرہ عمل گھر کی چار دیواری ہے۔ ازاں بعد لکھا۔

"اس کے بعد حدیث کی طرف آیئے۔ یہاں ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ واضح ارشادات ملتے ہیں۔

"اِذَا كَانَ اُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ وَ اَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءَكُمْ وَ اُمُوْرُكُمْ اِلٰى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَيْرٌ مِّنْ ظَهْرِهَا (ترمذی) جب تمہارے امراء تمہارے بدترین لوگ ہوں اور جب تمہارے دولتمند بخیل ہوں اور جب تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے ہاتھ میں ہوں تو زمین کا پیٹ تمہارے لیے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔

عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ لَمَّا بَلَغَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اَهْلَ فَارِسَ مَلَّكُوْا

عَلَيْهِمْ بِنْتَ كِسْرٰى قَالَ لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَّلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَاَةً (بخاری، احمد، نسائی، ترمذی)

ابوبکرہ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ ایران والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنالیا ہے تو آپ نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنے معاملات ایک عورت کے سپرد کئے ہوں۔

یہ دونوں حدیثیں اللہ تعالےٰ کے ارشاد اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ کی ٹھیک ٹھیک تفسیر بیان کرتی ہیں اور ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیاست وملک داری عورت کے دائرۂ عمل سے خارج ہے۔ رہا یہ سوال کہ عورت کا دائرۂ عمل ہے کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات اُس کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں:۔

وَالْمَرْاَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوُلْدِهٖ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ (ابوداؤد)

اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی راعیہ ہے اور وہ ان کے بارے میں جواب دِہ ہے۔

یہ ہے آیت وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ کی صحیح تفسیر اور اس کی مزید تفسیر وُہ احادیث ہیں جن میں عورت کو سیاست وملک داری سے کم تر درجہ کے خارج از بیت فرائض و واجبات سے بھی مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَّاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ اِلَّا اَرْبَعَةً: عَبْدٌ مَّمْلُوْكٌ اَوِ امْرَاَةٌ اَوْ صَبِيٌّ اَوْ مَرِيْضٌ (ابوداؤد)

جمعہ ہر مسلمان پر جماعت کیساتھ ادا کرنا حق اور واجب ہے بجز چار کے، غلام، عورت بچہ اور مریض

عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ نُهِيْنَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ (بخاری) اُم عطیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ہم کو جنازوں کے ساتھ جانے سے روک دیا گیا تھا۔"

"خدا و رسول" کے ان ارشادات کو نقل کرنے کے بعد وُہ لکھتے ہیں۔

"اگرچہ ہمارے پاس اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں مضبوط عقلی دلائل بھی ہیں اور کوئی چیلنج کرے تو ہم انہیں پیش کرسکتے ہیں۔ مگر اول تو ان کے بارے میں سوال نہیں کیا گیا ہے۔ دُوسرے ہم کسی مسلمان کا یہ حق ماننے کے لئے تیار بھی نہیں ہیں کہ وہ خدا و رسول کے واضح احکام سُننے کے بعد ان کی تعمیل کرنے سے پہلے اور تعمیل کے لئے شرط کے طور پر عقلی دلائل کا مطالبہ کرے ..... تعمیل حکم کے لئے عقلی دلائل مانگنے والے کا مقام اسلام کی سرحد سے باہر ہے۔ نہ کہ اس کے اندر۔

(صفحہ ۳۷۲)۔

آپ نے غور فرمایا کہ مودودی صاحب کے نزدیک، اس باب میں کہ عورت کو ملکی انتظامات میں کوئی حصہ نہیں دیا جا سکتا، خدا اور رسول کے احکام کس قدر واضح ہیں ۔ ایسے واضح کہ ان کی بابت عقلی دلائل مانگنے والے کا مقام اسلام کی سرحد سے باہر ہے۔ نیز آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ مودودی صاحب نے یہ کہیں نہیں کہا کہ بعض خصوصی حالات ایسے پیدا ہو سکتے ہیں جن میں ان احکام میں استثناء کی جا سکتی ہے۔ "استثناء" کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب (ان کے نزدیک) یہ معاملات عورت کے دائرہ عمل میں سے خارج ہیں، تو عورت جب تک عورت ہے ان معاملات میں دخل دے ہی نہیں سکتی۔ اگر کسی قوم نے عورت کے سپرد یہ معاملات کئے، تو (ان احادیث کی رُو سے جنہیں مودودی صاحب نے پیش کیا ہے) وہ کبھی فلاح نہیں پا سکے گی۔ اس کا ٹھکانہ زیرِ زمین ہوگا۔ نہ کہ زمین کے اُوپر۔

جدید فیصلہ یہ مودودی صاحب کی ۱۹۵۲ء کی شریعت کا فیصلہ تھا۔ اب ۱۹۶۴ء کی شریعت کا فیصلہ کیا ہے، یہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

> "اپوزیشن کی صدارتی اُمیدوار محترمہ فاطمہ جناح پر اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے مولانا مودودی نے چیلنج کیا ہے کہ کوئی شخص یہ بات ثابت نہیں کر سکتا کہ از روئے شرع، عورت کا سربراہِ مملکت ہونا قطعی حرام ہے اور اس سلسلہ میں استثناء کی قطعی گنجائش نہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ حکومت لوگوں کو مذہب کے نام پر گمراہ کر رہی ہیں۔
>
> (رُوزنامہ مشرق۔ بابت ۱۲/۱۰/۶۴)

یعنی جس چیز کے متعلق ۱۹۵۲ء میں کہا گیا تھا کہ خدا اور رسول کے واضح احکام کی رُو سے اس کی قطعاً اجازت نہیں (کہ عورت کو کونسلوں کا ممبر تک بنایا جا سکے)۔ اور جو قوم ایسا کرے گی وہ کبھی فلاح نہیں پا سکے گی۔ اب اسی کے متعلق یہ چیلنج دیا جا رہا ہے کہ کوئی ثابت کرے کہ ایسا کرنا حرام ہے۔ آپ سوچئے کہ جس شخص کو خود اپنے لکھے کا بھی پاس نہ ہو اور اس کے خلاف اس دھڑلے سے بیانات دے، اس کے متعلق کیا کہا جائے! اور پھر یہ الزام ملاحظہ ہو کہ "حکومت لوگوں کو مذہب کے نام پر گمراہ کر رہی ہے"؟ مودودی صاحب نہیں، بلکہ حکومت لوگوں کو مذہب کے نام پر گمراہ کر رہی ہے!

اور آپ کو معلوم ہے کہ جب آپ اس پر اعتراض کریں گے تو جماعت اسلامی والے اس کے جواب میں کیا کہیں گے؟ وہ کہیں گے کہ مودودی صاحب نے یہ نہیں کہا تھا کہ عورت کو مملکت کا سربراہ بنانا "حرام" ہے۔ یہ جواب اس قسم کا ہے جیسے شراب پینے والے مسلمان کہا کرتے ہیں کہ خدا نے شراب کو حرام قرار نہیں دیا!

اور دیکھئے۔

"مولانا نے ملکہ سبا کا ذکر کرتے ہوئے دلیل پیش کی کہ جس وقت وہ حضرت سلیمان پر ایمان لے آئیں تو حضرت سلیمان کو وحی نازل نہیں ہوئی کہ عورت کو سربراہِ مملکت نہیں رہنا چاہیئے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کے سربراہِ مملکت ہونے میں حرج نہیں۔ (ایضاً)

یعنی جو مسئلہ ۱۹۵۲ء میں ایسا واضح تھا کہ اس کے متعلق دلیل مانگنے والا دائرہ اسلام سے باہر ہو جاتا تھا، اب اس کی تردید میں خود ہی دلائل پیش کئے جا رہے ہیں!

ہم پوچھنا صرف یہ چاہتے ہیں کہ جب نبی اکرمؐ کو معلوم ہوا تھا کہ ایران والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حکمران بنا لیا ہے اور اس پر آپ نے یہ فرمایا تھا کہ جو قوم ایسا کرے گی، وہ فلاح نہیں پا سکتی، کیا اس وقت حضورؐ کے سامنے ملکہ سبا کا واقعہ تھا یا نہیں؟

اے کاش! مودودی صاحب اُس وقت وہاں ہوتے تو رسول اللہ کو (معاذ اللہ۔ معاذ اللہ) اتنا تو بتا دیتے کہ قرآن میں ملکہ سبا کا واقعہ موجود ہے۔ پھر آپؐ ایسا کیوں فرما رہے ہیں!!

۱۹۵۳ء میں کسی نے مودودی صاحب کی تجویز کے خلاف، حضرت عائشہؓ کے جنگِ جمل میں شرکت کے واقعہ کو بطور سند پیش کیا تھا اس کا حوالہ دیتے ہوئے مودودی صاحب نے لکھا تھا۔

"سیاست و ملک داری میں عورت کے دخل کو جائز ٹھہرانے والے اگر کوئی دلیل رکھتے ہیں تو بس یہ کہ حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کے خون کا دعویٰ لے کر اٹھیں اور حضرت علیؓ کے خلاف جنگ میں نبرد آزما ہوئیں۔ مگر اول تو یہ دلیل اصولاً ہی غلط ہے۔ اس لئے کہ جس مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول کی واضح ہدایت موجود ہو اس میں کسی صحابی کا کوئی ایسا انفرادی فعل جو اس ہدایت کے خلاف نظر آتا ہو ہرگز حجت نہیں بن سکتا۔ صحابہ کی پاکیزہ زندگیاں بلاشبہ ہمارے لئے مشعلِ ہدایت ہیں۔ مگر اس غرض کے لئے کہ ہم ان کی روشنی میں اللہ اور رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں۔ نہ اس غرض کے لئے کہ ہم اللہ اور رسول کی ہدایت کو چھوڑ کر ان میں سے کسی کی انفرادی لغزشوں کا اتباع کریں۔

(ترجمان القرآن۔ ستمبر ۱۹۵۲ء۔ صفحہ ۳۷۲)

اس کے بعد لکھا ہے۔

"جس فعل کو اُسی زمانے میں جلیل القدر صحابہؓ نے غلط قرار دیا تھا اور جس پر بعد میں خود اُمّ المومنین بھی نادم ہوئیں۔ اسے آخر کس طرح ایک نئی بدعت کا آغاز کرنے کے لئے دلیل قرار دیا جا سکتا ہے۔"

اب اُسی (بلکہ اس سے بھی بڑی) "بدعت" کو عین اسلام قرار دیا جا رہا ہے! اس سے بھی آگے، اور سُنیئے۔

"اُنہوں نے (مودودی صاحب نے) کہا کہ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ عورت کی سربراہی میں جہاد کرنا یا حج کرنا جائز نہیں۔

(مشرق۔ ۱۲/۱۰/۶۴)

یعنی اُس وقت مودودی صاحب کا یہ ارشاد تھا کہ حضرت عائشہؓ کا جنگ کے لئے نکلنا، خدا اور رسول کے احکام کے خلاف ایسی بدعت تھی جس کی مذمت جلیل القدر صحابہؓ نے کی اور جس پر وہ خود بھی نادم ہوئیں۔ اور اب یہ ارشاد ہے کہ عورت کی سربراہی میں جہاد کرنا ناجائز نہیں۔ باقی رہا حج۔ سو عورت کی سربراہی میں حج کرنا تو ایکطرف، مودودی صاحب کی (۱۹۵۲ء کی) تحقیق کے مطابق، عورت کے لئے، محرم مرد کے بغیر حج کرنا جائز ہی نہیں۔ (ترجمان القرآن بابت ستمبر ۵۲ء۔ صفحہ ۲۱۴) یعنی اُس وقت کے (مودودی صاحب کے) اسلام کی رُو سے عورت، محرم مرد کے بغیر خود بھی حج نہیں کر سکتی لیکن ۱۹۶۴ء کے اسلام کی رُو سے، حج کے لئے عورت، مردوں کی سربراہ بھی ہو سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ ان مردوں میں محرم اور نامحرم سب ہی ہوں گے۔

یہاں تک تو اس اصول کے متعلق گفتگو تھی (کہ عورت سربراہ مملکت بن سکتی ہے یا نہیں) اب یہ دیکھئے کہ خود محترمہ مس فاطمہ جناح کے متعلق یہ جماعت کس قسم کے خیالات کا اظہار کر چکی ہے۔

محترمہ فاطمہ جناح کیخلاف

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ محترمہ موصوفہ، حیدر آباد (سابق سندھ) کی مجلس اُسوۂ رسولؐ کی دعوت پر "میلاد النبی" کے جلسہ میں شرکت کے لئے تشریف لے گئیں۔ اس کے متعلق ترجمان القرآن میں لکھا گیا۔

"لیکن آپ کو یہ سُن کر تعجب ہوگا کہ اس مجلس اُسوۂ رسولؐ نے اُسوۂ رسول بیان کرنے کے لئے جس عالمۂ کتاب و سُنّت اور پیکرِ اُسوۂ رسول کو دعوت دی تھی وہ مس فاطمہ جناح ہیں۔ چنانچہ اخبار نے غالباً موصوفہ کی پیروی اُسوۂ رسول ہی کو

نمایاں کرنے کے لیے ان کی تقریر کے ساتھ ان کی تصویر بھی شائع کی ہے تاکہ مسلمان خواتین اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں کہ اسوۂ رسول دراصل یہ ہے جس پر ملّاؤں نے پردہ ڈال دیا تھا اور جو پاکستان بننے کے بعد اب بے نقاب ہو کر سامنے آیا ہے۔

(ترجمان القرآن بابت جولائی۔ اگست۔ ستمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۱۱)

اس کے بعد محترمہ موصوفہ کی تقریر اور بعض دیگر کارکردگیوں پر تنقید کی گئی ہے۔ اور اُن کے "پردہ" کے متعلق زاویت طنزیہ انداز میں لکھا گیا ہے کہ ماڈرن مسلمان یہ کہتے ہیں کہ

"ہم تسلیم کرتے ہیں کہ رسول اللہ کی بیٹی فاطمہ پردہ کرتی تھیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قائد اعظم کی بہن فاطمہ پردہ نہیں کرتیں ہمارے اس زمانے کی ضرورتوں کے لحاظ سے ہمارے لئے قابلِ اتباع نمونہ قائد اعظم کی بہن ہی کا ہے، نہ کہ رسولِ خدا کی بیٹی کا۔

(ایضاً صفحہ ۱۱۵)

پھر اس معاشرت کو جس کا نمونہ محترمہ موصوفہ ہیں "سراسر جاہلی اور شیطانی نظام معاشرت" اور اس تہذیب کو "ہالی وڈ کی تہذیب" کہا گیا ہے۔ دوسرے مقام پر اس نظام معاشرت کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں "جلسے اور نعرے ہیں۔ استقبال اور جلوس ہیں۔ ناچ کی محفلیں اور گانے کی مجلسیں ہیں۔ مینا بازار اور کنسرٹ ہیں۔ پریڈیں اور کرتب ہیں ..." (ترجمان القرآن بابت دسمبر ۱۹۴۹ء و جنوری ۱۹۵۰ء۔ صفحہ ۱۹۶)

اب یہی جماعت اسلامی، انہی محترمہ کو اس مملکت کا صدر بنانا چاہتی ہے جس میں اسلامی نظام رائج ہو گا!

ہم اس انتظار میں تھے کہ دیکھیں اس جماعت میں سے کوئی شخص بھی اپنے امیر سے اتنا کہتا ہے کہ آپ نے اس سے پہلے اس قدر تفصیل کے ساتھ لکھا تھا کہ خدا اور رسول کے واضح احکام کے مطابق عورت انتظام ملکی میں دخیل ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر قوم ایسا کرے گی تو وہ (حضور مخبر صادقؐ کے ارشاد کے مطابق) ہلاک ہو جائے گی۔ اور اب آپ اس دھڑلے سے کہہ رہے ہیں کہ عورت کے سربراہ مملکت ہونے میں شرعی اعتبار سے کسی قسم کا مضائقہ نہیں، تو آپ شریعت سے اس قسم کا کھیل کیوں کھیل رہے ہیں لیکن اس قسم کی کوئی آواز ان کی طرف سے نہیں اٹھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس جماعت میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جو اس قسم کے سیاسی حربوں کو بُرا سمجھتا ہو!۔

بھان متی کا کنبہ

یہ ہیں وہ جماعتیں جنہوں نے متحدہ محاذ قائم کیا ہے۔ آپ سوچئے کہ ان میں کوئی بھی قدر مشترک ایسی ہے جس کی بنیاد پر ان کا اتحاد قائم رہے۔ جیسا کہ ہم نے شروع میں لکھا ہے ان پانچ جماعتوں میں سے مسلم لیگ اور نظام اسلام پارٹی تو کسی گنتی شمار میں ہی نہیں۔ باقی تین جماعتوں کے متعلق غور کیجئے۔ ان میں اگر کوئی قدر مشترک ہے تو یہ کہ یہ جماعتیں نظریۂ پاکستان کے خلاف تھیں اور تشکیل پاکستان کے بعد مسلسل تخریبی کارروائیوں میں مصروف چلی آ رہی ہیں۔ جماعت اسلامی اقامت دین کی مدعی ہے۔ تحریک

پاکستان کے دوران، جب ان سے کہا جاتا تھا کہ وہ انگریز اور ہندو کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد میں مسلم لیگ کا ساتھ دیں تو ان کا جواب یہ ہوتا تھا کہ جن لوگوں میں اسلام کی ایک چھینٹ تک بھی نظر نہیں آتی ہم ان کا ساتھ کس طرح دے سکتے ہیں؟ اب یہی جماعت جن پارٹیوں کے ساتھ مل کر متحدہ محاذ بنا رہی ہے ان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ علانیہ اسلام کے خلاف ہیں اور ملک میں اسلامی نظام کا نام تک سننا گوارا نہیں کر سکتیں۔ دُور کی بات کو چھوڑیے پچھلے مہینے جب کراچی میں ان پارٹیوں کا متحدہ اجلاس ہوا ہے۔ "مولانا" بھاشانی نے کہا

"ہم لادینی مملکت کے حامی ہیں اس لئے نو نکاتی پروگرام میں شامل اس شق کی حمایت ہم نہیں کر سکتے جس میں اسلامی معاشرہ کے قیام کا وعدہ کیا گیا ہے۔"

یہ خبر، متحدہ محاذ کے مخالفین کی طرف سے شائع نہیں ہوئی۔ یہ شائع ہوئی ہے کوثر نیازی صاحب کے اخبار شہاب (کی ۱۸ اکتوبر کی اشاعت) میں —— اور کوثر نیازی صاحب کے متعلق آپ کو معلوم ہی ہے کہ وہ حال ہی میں جماعت اسلامی کے حلقہ لاہور کے امیر منتخب ہوئے ہیں۔ گویا خود جماعت اسلامی کی شائع کردہ اطلاع کے مطابق نیشنل عوامی پارٹی علانیہ کہتی ہے کہ وہ لادینی مملکت چاہتی ہے اور نو نکاتی پروگرام کی جس شق میں اسلامی معاشرہ کے قیام کا وعدہ کیا گیا ہے وہ اس کی حمایت کرنے کے لئے تیار نہیں —— اور جماعت اسلامی ملک میں دینی نظام قائم کرنے کی مدعی ہے۔ اس سے ان کے اتحاد کی بنیاد نکھر کر سامنے آجاتی ہے

ان جماعتوں کا اس وقت موقف یہ ہے کہ ہم موجودہ برسرِ اقتدار پارٹی کو شکست دینا چاہتے ہیں اگر ان کا مقصد وہی ہوتا تو اس اتحاد کے کچھ معنی ہوتے لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس اتحاد کی غایت صرف برسرِ اقتدار پارٹی کو شکست دینا نہیں بلکہ اس کے بعد ملک میں حکومت قائم کرنا بھی ہے۔ آپ سوچئے کہ جن پارٹیوں کا وجود ہی ایک دوسرے سے تضاد پر مبنی ہے۔ جو خیالات۔ نظریات اور مقاصد کے اعتبار سے ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہیں۔ کیا یہ پارٹیاں متحدہ طور پر کوئی حکومت قائم کر سکتی ہیں۔ اور اگر انہوں نے کوئی حکومت قائم کر بھی لی تو وہ کتنے دن قائم رہ سکے گی؟

مستقبل کا نقشہ

اس وقت کا نقشہ ذرا ذہن میں لائیے کہ موجودہ حکومت برطرف ہو چکی ہو گی اور یہ پارٹیاں حکومت کی کرسیاں حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ جنگ و جدال میں مصروف ہوں گی۔ سوچئے کہ اس وقت ملک بیچارے کی حالت کیا ہو گی؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ پارٹیاں نہ کبھی پاکستان کے حق میں تھیں۔ نہ پاکستان کے حق میں ہیں۔ ان کے سامنے ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ یا تو حکومت ان کے ہاتھ میں ہو اور اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو پھر پاکستان جائے جہنم میں۔ اور چونکہ مشترکہ حکومت یہ بنا نہیں سکیں گے اس لئے ان کی تمام جدوجہد کا ماحصل پاکستان کی تخریب ہو گا۔ ہمارا اندازہ ہے کہ یہ پارٹیاں آخری الیکشن سے پہلے ہی آپس میں الجھ پڑیں گی۔ جن پارٹیوں کے اتحاد کی ابتدا اس سے ہو رہی ہے کہ مس فاطمہ جناح کے لاہور کے جلسہ کی صدارت کے لئے یہ اپنے میں سے

کسی ایک کے انتخاب پر متفق نہیں ہو سکے ـــــ نتیجہ یہ تھا کہ اسٹیج پر ایک مقرر اور پانچ صدر براجمان تھے (یعنی ہر پارٹی کا اپنا اپنا صدر) آپ سوچ سکتے ہیں کہ وہ اس سفر میں چار قدم بھی دوش بدوش چل سکیں گے؟ محض تخریب کے لئے اس قسم کے اُن جوڑ ہی نہیں بلکہ متضاد عناصر کا اتحاد، مُلک کی تخریب پر منتج نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا؟

محترمہ فاطمہ جناح اب لیجئے محترمہ مس فاطمہ جناح کو۔ ہمارے دل میں ان کی بزرگی کی وجہ سے ان کی بڑی عزت ہے لیکن سوال بزرگی کا نہیں۔ سوال غور طلب یہ ہے کہ جس منصب کے لئے وہ اُمیدوار بن کر سامنے آئی ہیں کیا وہ اس منصب کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل بھی ہیں۔ ہم اس مسئلہ پر اسی زاویہ نگاہ سے غور کریں۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ کیا اسلام میں ایک عورت سربراہ مملکت بن سکتی ہے تو قرآن کریم کی رُو سے اس کا جواب مثبت (ہاں) میں ہے۔ قرآنی تعلیم کے مطابق، مرد اور عورت زندگی کے ہر گوشے میں دوش بدوش چلنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور (سوائے ان طبعی وظائف کے جن کا تعلق جنس سے ہے) مرد اور عورت میں کسی قسم کا امتیاز نہیں۔ لہٰذا سوال صرف ذاتی اہلیت کا ہونا چاہیے۔

نسبی امتیاز محترمہ مس فاطمہ جناح کے متعلق ایک ہی بات وجہ امتیاز بتائی جاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ قائداعظمؒ کی بہن ہیں۔ قرآنی نقطۂ نگاہ سے یہ چیز قطعاً وجہ امتیاز نہیں۔ بلکہ قرآن حسب اور نسب کی نسبتوں کو وجہ عزت و امتیاز بنانے کے تصور کو مٹانے کے لئے آیا تھا۔ آپ سارے قرآن کو دیکھ جائیے۔ اس میں ہر جگہ، نسبی امتیاز کے جاہلیت کے تصور کی جگہ جوہر ذاتی کو معیار فضیلت قرار دیا گیا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اس کی تعلیم کا نقطۂ ماسکہ ہے۔ اس کے معیار شرف و عزت کے مطابق، نہ ابن نوحؑ کو حضرت نوحؑ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے کوئی امتیاز حاصل ہو سکتا ہے، نہ اب ابراہیمؑ کو حضرت ابراہیمؑ کے باپ ہونے کی بنا پر کوئی شرف۔ نہ امراۃ لوطؑ کو حضرت لوطؑ کی بیوی ہونے کی جہت سے کوئی رعایت مل سکتی ہے۔ نہ عم محمدؐ (حضرت عباسؓ) کو نبی اکرمؐ کا چچا ہونے کی وجہ سے کوئی خاص مقام۔ یہی اسلام کی وہ بنیادی تعلیم تھی جس کی بنا پر نبی اکرمؐ نے اپنی چاہیتی بیٹی حضرت فاطمہؓ سے کہہ دیا تھا کہ "بیٹی! تمہارے اعمال صرف تمہارے کام آئیں گے۔ محمدؐ کی بیٹی ہونا تمہارے کسی کام نہیں آسکے گا۔" لہٰذا محترمہ مس فاطمہ جناح کو محض اس لئے مستحق فضیلت سمجھنا کہ وہ قائداعظمؒ کی ہمشیرہ ہیں۔ اسلام کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے۔ متحدہ محاذ والوں کا، اس نعرہ سے عوام کے جذبات کو اپیل کرنا، انہیں، اسلام سے قبل دور جاہلیت کی طرف دعوت دینے کے مرادف ہے۔ جماعت اسلامی والے اس نعرہ کی حمایت غالباً اس لئے کر رہے ہیں کہ کل کو جب مال غنیمت کی تقسیم کا وقت

آئے گا تو وہ اپنے امیر سیدابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے حق میں یہ دلیل پیش کر سکیں گے کہ وہ رسول اللہؐ کے نواسے ہیں جہاں تک محترمہ موصوفہ کی ملکی انتظام کی اہلیت کا تعلق ہے، اُنہوں نے کبھی اِس قسم کی کوئی ذمہ داری سنبھالی ہی نہیں۔ اس لئے ان کے کسی سابقہ تجربہ کو ان کی اہلیت کے لئے بطور ثبوت یا دلیل پیش نہیں کیا جاسکتا

اہلیت اگر ان میں اِس قسم کے اُمور سرانجام دینے کی اہلیت ہوتی تو قائداعظمؒ کوئی نہ کوئی انتظامی کام ان کے سپرد ضرور کر دیتے۔ کہا جا سکتا ہے کہ قائداعظمؒ نے اس باب میں احتیاط سے کام لیا تاکہ کوئی یہ اعتراض نہ کر دے کہ حکومت کے مناصب اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کئے جا رہے ہیں۔ لیکن انتظامی اُمور صرف حکومت ہی سے تو متعلق نہیں ہوتے۔ بیسیوں قسم کے ایسے کام ہوتے ہیں جو حکومت سے باہر رہتے ہوئے سرانجام دیئے جا سکتے ہیں ــــ اور تشکیلِ پاکستان کے فوری بعد تو اِس قسم کے متعدد کام ایسے تھے جن کے لئے موزوں کارندوں کی بیحد ضرورت تھی ــــ مثلاً مہاجرین کی نگہ پرداخت اور بحالی کا وہ اہم ترین مسئلہ جو ملک کے لئے بالعموم اور قائداعظمؒ کے لئے بالخصوص اِس قدر وجہِ اضطراب بن رہا تھا۔ اس سلسلہ میں بھی نہ قائداعظمؒ نے محترمہ موصوفہ کے سپرد کوئی کام کیا نہ اُنہوں نے رضاکارانہ طور پر ہی کوئی کام اپنے ذمہ لیا۔

قائداعظمؒ کی وفات کے بعد حالات ایسے تشویش انگیز تھے کہ ہر ایک کی نگاہیں ان کے کسی موزوں جانشین کی تلاش میں چاروں سمت دوڑ رہی تھیں۔ اُس وقت محترمہ مس فاطمہ جناح یہیں موجود تھیں ــــ اور اُس وقت آج کے مقابلہ میں کم عمر رسیدہ بھی تھیں ــــ لیکن کسی کی نگہِ انتخاب ان کی طرف نہیں اُٹھی ــــ حتیٰ کہ خواجہ ناظم الدین صاحب کی بھی نہیں وہ خود گورنر جنرل بن گئے اور مس فاطمہ جناح کا نام کسی کے حیطۂ خیال تک میں نہ آیا حتیٰ کہ چوہدری محمد علی صاحب کے بھی نہیں۔ نہ ہی ملک میں سے کسی ایک شخص نے کوئی ایسی تجویز پیش کی

اِن تصریحات سے واضح ہے کہ اگر محترمہ موصوفہ میں ایسے ذمہ دار منصب کے سنبھالنے کی اہلیت ہوتی تو کسی مرحلہ پر اس کے لئے ان کا نام سامنے آتا۔ اگر کہا جائے کہ ان میں ایسی اہلیت موجود تھی تو پھر ہم خواجہ ناظم الدین صاحب سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ آپ نے ایسی قابل ہستی کو پس پشت ڈال کر خود منصب صدارت کیوں سنبھال لیا تھا، حالانکہ اِس وقت آپ کا اپنا فیصلہ یہ بتا رہا ہے کہ آپ محترمہ موصوفہ کو منصب صدارت کے لئے اپنے سے زیادہ اہل سمجھتے ہیں (اِسی لئے تو آپ نے اُنہیں اپنے آپ پر ترجیح دی ہے)

اِس سلسلہ میں ایک سوال محترمہ موصوفہ سے بھی دریافت طلب ہے۔ اور وہ یہ کہ جن حضرات نے آپ کو اُمیدوار کی حیثیت سے منتخب کیا ہے، ان میں اکثریت ان کی ہے جو قائداعظمؒ کو گالیاں دیتے رہے ہیں۔ کیا یہ لوگ اُسی قائداعظمؒ کی بہن کے دل سے مداح ہو سکتے ہیں؟ ان میں باقی لوگ وہ ہیں جن کی حکومتوں پر آپ نے ہمیشہ تنقید کی ہے۔ کیا اب اُنہی کی حکومت درخورِ تحسین قرار پا جائے گی؟

منصب صدارت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے لئے دیگر صلاحیتوں کے علاوہ صحت اور توانائی کی بھی اشد ضرورت ہے۔ قرآن کریم نے حضرت طالوت کے انتخاب کا معیار "علم اور جسم کی توانائی" قرار دیا تھا۔ محترمہ موصوفہ عمر کے اس حصہ میں پہنچ چکی ہیں جس کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ (۳۶/۶۸)۔ جو عمر رسیدہ ہو جاتا ہے اس کی عقل اوندھی ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عمر میں پہنچ کر عام طور پر بڑے بڑے مدبران امورِ ملکی ریٹائر ہو جاتے ہیں۔ اس کے جواب میں،

کام کون کریگا

ان کے حامی یہ کہتے ہیں کہ ہم پارلیمانی نظام قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں صدر محض نشان کا ہاتھی (FIGURE HEAD) رہ جاتا ہے۔ کام سارا وزیراعظم اور اس کی کابینہ کرتی ہے۔ اور وزیراعظم اور کابینہ کے ممبر یہ حضرات خود ہونگے۔ اس سے واضح ہے کہ محترمہ موصوفہ کے انتخاب سے مقصد صرف یہ ہے کہ ان حضرات کو وزارتِ عظمیٰ اور کابینہ کی رکنیت مل جائے۔ یعنی یہ حضرات اپنی اس کمزوری سے اچھی طرح واقف ہیں (اور عملاً اس کا اعتراف کرتے ہیں) کہ ان میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جسے قوم کسی منصب کے لیے منتخب کرے۔ اس لئے وہ اس نشان کے ہاتھی کی آڑ میں آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس حقیقت کا ثبوت قدم قدم پر مل رہا ہے۔ لاہور میں محترمہ مس فاطمہ جناح کے جلسہ میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔ ان کی تقریر کے بعد خواجہ ناظم الدین اور چوہدری محمد علی صاحب کی تقریر کی باری تھی۔ لیکن محترمہ موصوفہ کی تقریر کے بعد، لوگ اٹھ کر چلے آئے اور ان حضرات کی تقریر کی باری ہی نہ آئی۔ مطلب ہمارا یہ ہے کہ یہ حضرات جو اس سے پہلے برسر اقتدار رہ چکے ہیں، قوم میں ان کا وقار یہ ہے۔ اور یہ محترمہ موصوفہ کی خالصتاً جذباتی اپیل کے سایہ میں اس طرح آگے بڑھ رہے ہیں جس طرح ایک شکست خوردہ فوج نیزوں پر قرآن لٹکا کر آگے بڑھتی تھی۔

اب آپ سوچیے کہ اگر محترمہ فاطمہ جناح کے نام کے صدقے یہ گروہ برسر اقتدار آ گیا تو ملک کا کیا حشر ہوگا؟ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے ان پانچ پارٹیوں میں سے صرف دو پارٹیاں (نیشنل عوامی پارٹی اور جماعت اسلامی) مؤثر حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر حکومت قائم کرنے کے وقت نیشنل عوامی پارٹی کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ تو ملک پر کمیونزم مسلط ہو جائے گا۔ اور اگر جماعت اسلامی نے پلڑا اپنی طرف جھکا لیا تو تھیاکریسی قائم ہو جائے گی۔ اور ان دونوں میں انسانیت کا جو حشر ہوا کرتا ہے اس پر تاریخ کے اوراق شاہد ہیں۔ ہم ملک کے سنجیدہ طبقہ سے درخواست کریں گے۔ کہ وہ اس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور سوچیں کہ اس وقت عوام کے جذبات کو بھڑکا کر جو کھیل کھیلا جا رہا ہے، اس کا انجام کیا ہوگا!

صدر محمد ایوب خاں | دوسری طرف فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں امیدوار صدارت ہیں۔ ۱۹۵۷ء میں

جب پاکستان تباہی کے کنارے پر جا پہنچا تھا تو طلوعِ اسلام نے پکار کر کہا تھا کہ اس وقت ملک صرف اسی صورت میں بچ سکتا ہے کہ ملک کے نظم و نسق کو فوج اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اس کے ایک سال بعد، محترم محمد ایوب خاں نے عسکری انقلاب کے ذریعے زمامِ حکومت اپنے ہاتھ لے لی اور ملک کو تباہی سے بچا لیا اور یہ سب کچھ ایک قطرۂ خون بہائے بغیر نہایت پُرامن طریق سے بروئے کار آگیا۔ ہمارے نزدیک یہ محترم موصوف کا ملک پر بہت بڑا احسان ہے۔

اُنہوں نے، اپنے برسرِ اقتدار آنے کے بعد، مختلف مواقع اور مختلف ممالک میں اسلام سے متعلق جس قدر تقاریر کی اور بیانات دیئے ہیں، وہ ایک ایسے اسلامی نظام کا تصور پیش کرتے ہیں جسے ہم دُنیا کے سامنے فخر کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں۔ دلوں کا حال خدا ہی جانتا ہے لیکن اگر انسان کے خیالات اس کے ضمیر کی ترجمانی کرتے ہیں تو ان شہادات کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کے متعلق اُن کا ذہن بھی صاف ہے اور اس کا درد بھی ان کے دل میں موجود ہے۔ اور وہ اس اسلام کی سربلندی کے خواہاں بھی ہیں۔

اُنہوں نے زرعی اصلاحات اور عائلی قوانین کے سلسلہ میں جو کچھ کیا ہے، اس سے ملک کا قدم قرآنی نظام کی طرف اُٹھا ہے۔ یہ چیز اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔

سابقہ حکومتوں کے زمانے میں، بیرونی ممالک میں پاکستان وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اب وہ صورت نہیں۔ ملک کی موجودہ خارجہ پالیسی کی وجہ سے، یہ ذلت، ایک حد تک وقار کی شکل میں بدل رہی ہے۔ اور اگر یہ رفتار اسی طرح جاری رہی تو ہمارا خیال ہے کہ کچھ عرصہ بعد، پاکستان اپنا سر اُونچا کر کے چلنے کے قابل ہو جائے گا۔

ملک کے لئے مستحکم حکومت کی ضرورت اشد تھی۔ سابقہ تجربہ نے یہ بتا دیا تھا کہ یہاں پارلیمانی نظام کے ذریعے مستحکم حکومت قائم ہی نہیں ہو سکتی۔ ہمارے لئے صدارتی نظام ہی بہتر انداز حکومت ہے یہ وہ شہادات ہیں جو صدر ایوب کے حق میں جاتی ہیں۔

جہاں تک ملک کے اندرونی نظم و نسق کا تعلق ہے اس کے متعلق ایک بات پیش نظر رکھنی چاہیئے اور وہ یہ کہ حکومت کوئی بھی برسرِ اقتدار ہو (بجز قرآنی حکومت کے) اس کے خلاف کوئی نہ کوئی شکایت لوگوں کو ضرور ہو گی۔ جو لوگ موجودہ حکومت کے شاکی ہیں وہ خواجہ ناظم الدین اور چوہدری محمد علی صاحب کی حکومت کے زمانے میں بھی شکایات رکھتے تھے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ موجودہ حکومت کے نظم و نسق میں خرابیاں نہیں۔ اس میں خرابیاں ہیں جن کی طرف ہم ارباب حل و عقد کی توجہ مسلسل و متواتر منعطف کراتے چلے آ رہے ہیں ہمارے نزدیک ان خرابیوں کی بنیادی وجہ ملک کا موجودہ غیر قرآنی معاشی نظام اور غلط تعلیم ہے۔ جہاں تک معاشی نظام کا تعلق ہے ہم اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ موجودہ غلط نظام کی جگہ خالص قرآنی نظام لانے کے لئے بہت کچھ کرنا ہوگا اس لئے یہ نظام بتدریج لایا جا سکے گا۔ اس وقت تک اس سلسلہ میں (زرعی اصلاحات کے اولیں اقدام کے علاوہ) اور کچھ نہیں ہوا لیکن صدر ایوب کی تقاریر میں اس نظام کی اہمیت کا

اعتراف موجود ہے۔ اس کے برعکس، اگر ان کی جگہ خواجہ ناظم الدین۔ چوہدری محمد علی اور جماعت اسلامی کے نمائندگان برسر اقتدار آ گئے تو یہاں ازمنہ وسطیٰ کا سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام مسلط ہو جائے گا۔ خواجہ صاحب کو ابھی سے شکایت ہے کہ ملک میں اسلام کو (MODERNISE) کیا جا رہا ہے۔ اور جماعت اسلامی اس سرمایہ دارانہ نظام کو اسلامی قرار دے رہی ہے جو ہمارے عہد ملوکیت اور جاگیرداری کی یادگار ہے۔ موجودہ حکومت کے خلاف سب سے بڑا الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ اس میں ملک کی ساری دولت چند گھرانوں میں سمٹ کر رہ گئی ہے۔ ہم بھی اس کی مخالفت کرتے ہیں اور سخت مخالفت، کیونکہ یہ چیز قرآنی نظام کے خلاف ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر جماعت اسلامی برسر اقتدار آ سکی تو اس وقت انبار در انبار دولت جمع کرنے میں کوئی چیز مانع ہی نہیں ہوگی۔ اس وقت ملک کی ساری دولت ایک گھرانے میں بھی سمٹ کر آ جائے گی تو اسے قطعاً قابل اعتراض قرار نہیں دیا جائے گا اس لئے کہ مودودی صاحب کا یہ فتوےٰ موجود ہے کہ۔

"اسلام نے کسی نوع کی ملکیت پر بھی مقدار اور کمیت کے لحاظ سے کوئی حد نہیں لگائی جائز ذرائع سے جائز چیزوں کی ملکیت جبکہ اس سے تعلق رکھنے والے شرعی حقوق و واجبات ادا کئے جاتے رہیں، بلا حد و نہایت رکھی جا سکتی ہے۔ روپیہ پیسہ، جانور استعمالی اشیاء۔ مکانات۔ سواری۔ غرض کسی چیز کے معاملہ میں بھی قانوناً ملکیت کی مقدار پر کوئی حد نہیں۔" (مسئلہ ملکیت زمین۔ صفحہ ۵۲)

اس وقت اور اس وقت میں فرق یہ ہوگا کہ اس وقت آپ اس پالیسی پر کھلے بندوں اعتراض بھی کر سکتے ہیں اور اسے بدلنے کے لئے آئینی طریق بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ نے اس وقت اس پالیسی پر تنقید کی تو وہ "تنقید اسلام" پر ہوگی جس کی پاداش میں ہو سکتا ہے کہ آپ کو حوالۂ دار و رسن کر دیا جائے۔

اور اگر کمیونزم کی حامی، نیشنل عوامی پارٹی برسر اقتدار آ گئی تو یہ تو یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس وقت دولت کی تقسیم کس طرح ہوگی لیکن اتنا بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ اس میں دین و دانش اور حریت و آزادی سب خس و خاشاک کی طرح بہ جائیں گے۔ اور انسان خالص حیوانی سطح پر پہنچ جائے گا۔

موجودہ حکومت کے خلاف دوسرا الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ اس میں ضمیر اور خیالات کے اظہار کی آزادی نہیں۔ اظہار خیالات و عقائد (بشرطیکہ ان میں شرافت کو ملحوظ رکھا جائے) مستقل حقوق انسانیت میں سے ہیں جن کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جو جماعتیں اس مقصد کے لئے برسر اقتدار آنا چاہتی ہیں ان کے عہد حکومت میں ملک کو کس قدر آزادی حاصل ہوگی؟ کمیونزم میں اظہار خیالات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس میں

انتہائی (REGIMENTATION) ہوتی ہے۔ باقی رہی جماعت اسلامی سو اس کے زیر اقتدار جس قسم کی آزادی حاصل ہوگی اس کے متعلق کسی قیاس آرائی کی ضرورت ہی نہیں۔ اس سلسلہ میں، اس جماعت کے امیر کا فیصلہ کھلی ہوئی شہادت ہے۔ وہ اپنے رسالہ "مرتد کی سزا" کے صفحات ۸۱-۸۰ پر (اس سوال کے جواب میں کہ اسلامی نظام قائم ہو جانے کے بعد "پیدائشی مسلمانوں" سے کس قسم کا سلوک کیا جائے گا) لکھتے ہیں۔

"میرے نزدیک اس کا حل یہ ہے (واللہ الموفق للصواب) کہ جس علاقہ میں اسلامی انقلاب رُونما ہو وہاں کی مسلمان آبادی کو نوٹس دے دیا جائے کہ جو لوگ اسلام سے اعتقاداً و عملاً منحرف ہو چکے ہیں اور منحرف ہی رہنا چاہتے ہیں، وہ تاریخ اعلان سے ایک سال کے اندر اندر اپنے غیر مسلم ہونے کا باقاعدہ اظہار کر کے ہمارے نظام اجتماعی سے باہر نکل جائیں۔ اس مدت کے بعد ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں مسلمان سمجھا جائے گا۔ تمام قوانین اسلامی ان پر نافذ کیے جائیں گے۔ فرائض و واجبات دینی کے التزام پر انہیں مجبور کیا جائے گا۔ اور پھر جو کوئی دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔"

اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ "اسلام" سے ان کی مراد وہ اسلام ہے جس کے پیرو یہ خود ہیں۔ بالفاظ دیگر جو شخص ان کے خیالات و نظریات سے اختلاف کرے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ یہ ہوگی ضمیر اور خیالات کے اظہار کی وہ آزادی جو ان کے عہدِ اقتدار میں حاصل ہوگی۔

یہ ہیں ان کے عزائم اور اس کے باوجود ان کا دعوٰے یہ ہے کہ یہ مستقل حقوقِ انسانیت (FUNDAMENTAL HUMAN RIGHTS) کے تحفظ کے لئے جنگ کر رہے ہیں اور انہی کی حفاظت کے لئے برسرِ اقتدار آنا چاہتے ہیں۔

اس وقت صدارتی انتخاب کے لئے دو ہی اُمیدوار ہیں۔ ان دو میں باہمی تقابل کے بعد، ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ محترمہ مس فاطمہ جناح کے حق میں محض جذباتی اپیل ہے اور اس کا نتیجہ ملک کے لئے تباہی۔ محترم محمد ایوب کے حق میں دلائل قوی ہیں اور ان کی کامیابی کی صورت میں، ملک میں تباہی نہیں آ سکتی، اس لئے ہم یہی سمجھتے ہیں کہ ان دونوں میں صدر ایوب کا انتخاب بہتر رہے گا۔ اگر کوئی تیسرا اُمیدوار ایسا سامنے ہوتا جس کے ہاتھ میں پاکستان کی سالمیت اور زیادہ مضبوط رہتی اور یہاں قرآنی نظام کے قیام کے امکانات زیادہ روشن ہوتے، تو ہم یقیناً اس کی حمایت کرتے لیکن اس وقت تک نہ کوئی ایسا اُمیدوار سامنے آیا ہے اور نہ ہی ہمیں ملک کی معروف ہستیوں میں کوئی ایسا شخص نظر آتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو سوال در حقیقت مس فاطمہ جناح اور صدر ایوب کا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ملک کا مستقبل ان عناصر کے ہاتھ میں دے دیا جائے جن کے سامنے انتشار اور تخریب کے علاوہ کوئی پروگرام نہیں اور جن کا ماضی ان کی شر انگیزیوں کی

مستقل شہادت ہے۔ معلوم نہیں یہ کہاں تک درست ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ خان عبدالغفار خاں نے کہا تھا کہ ہم مس فاطمہ جناح کی حمایت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اگر کامیاب ہو گئیں تو پاکستان ختم ہو جائے گا اور ناکام رہیں تو جناح کا نام ختم ہو جائے گا۔ اور دونوں صورتیں میں ہماری جیت ہے اس لئے کہ ہم (جناح اور پاکستان) دونوں کے دشمن ہیں۔ خان عبدالغفار خاں نے یہ کہا ہو یا نہ کہا ہو۔ اور مس فاطمہ جناح کی ناکامی کی صورت میں قائداعظمؒ کا نام ختم ہو یا نہ ہو (اور وہ کسی صورت میں ختم نہیں ہو سکتا) لیکن یہ یقینی امر ہے کہ محترمہ مس فاطمہ جناح کی کامیابی کی صورت میں پاکستان کا وجود یقیناً خطرہ میں پڑ جائے گا۔ ان لوگوں کی پوری پوری کوشش یہ ہو گی کہ یہاں ابتر حالات پیدا کر دیئے جائیں جس سے پاکستان پھر سے ہندوستان کے ساتھ مدغم ہو جائے اور یوں یہ لوگ اپنی شکستِ پندار کا انتقام لے سکیں۔ خدا اس خطۂ زمین کو اس قسم کی شر انگیزیوں سے محفوظ رکھے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ تخریبی عناصر برسر اقتدار نہ آنے پائیں۔ اس وقت پاکستان پھر اسی قسم کے مراحل سے دوچار ہے جن سے یہ جنگ آزادی کے دوران گذرا تھا۔ اگر اس وقت قوم جذبات میں بہ گئی تو اس کا نتیجہ کیا ہو گا اس کے متعلق ہم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتے کہ ـــــ خدا عدو کو بھی یہ خواب بد نہ دکھلائے۔

حق مغفرت کرے

پرچہ پریس میں جا رہا تھا کہ یہ افسوسناک خبر موصول ہوئی کہ خواجہ ناظم الدین صاحب کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے تحریک پاکستان کے زمانے میں قائداعظمؒ کا اچھا ساتھ دیا تھا۔ خدا غریق رحمت کرے۔

"اسلام کیا ہے؟"
کی طباعت و اشاعت میں قدرے تاخیر

طلوع اسلام کی سابقہ اشاعت میں محترم پرویز صاحب کی مندرجہ بالا اہم کتاب کا اشتہار شائع ہوا تو اس کی اہمیت کے پیش نظر ملک کے ہر گوشے سے اس کی مانگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لیکن کتاب کی طباعت میں کچھ تاخیر واقع ہو گئی۔ جس کی وجہ سے ہم اپنے کرم فرماؤں کی مانگ کو بروقت پورا کرنے کے قابل نہ ہو سکے۔ اس زحمتِ انتظار کے لئے ہم ان تمام حضرات سے معذرت خواہ ہیں جنہوں نے کتاب مذکورہ کا اعلان پڑھتے ہی ہمیں اس کی ترسیل کے لئے لکھا ہے۔ کتاب کی طباعت جلد از جلد تکمیل پا رہی ہے اور جونہی یہ تیار ہو گئی ان کی خدمت میں ارسال کر دی جائے گی۔

(ناظم ادارہ طلوع اسلام)

رابطہ باہمی

نمائندگان کا خصوصی اجلاس

۲ر اکتوبر۔ بروز ہفتہ بزمہائے طلوع اسلام کے نمائندگان کا ایک خصوصی اجتماع ۲۵۔ بی گلبرگ۔ میں منعقد ہوا۔ جس میں ڈیرہ اسماعیل خاں سے لے کر کوئٹہ اور کراچی سے پشاور تک کے مدعوئین شریک ہوئے۔ پہلی نشست ہفتہ کی سہ پہر کو منعقد ہوئی۔ جس میں محترم پرویز صاحب نے گذشتہ کنونشن سے لے کر اس وقت تک کے احوال و کوائف پر روشنی ڈالی۔

دوسرا اجتماع بعد نماز مغرب زیر صدارت محترم خاں بخت جمال خاں صاحب منعقد ہوا۔ جس میں بزم کے مختلف نمائندگان اور اراکین نے تحریک سے متعلق مختلف امور پر بحث میں حصہ لیا اور کئی ایک تجاویز پاس کیں۔ حسب سابق ان تجاویز کا خصوصی پہلو یہ تھا کہ ہر تجویز متفقہ طور پر منظور ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ جب زیر غور معاملات پر قرآن کریم کی رہنمائی میں، اپنے فکر کی رو سے غور کیا جائے تو آخر الامر اختلاف کی شکل پیدا ہی نہیں ہوتی۔

اتوار کی صبح تمام مہمانوں کا ناشتہ محترم شیخ سراج الحق صاحب کی طرف سے دیا گیا۔ اس کے بعد یہ حضرات درس میں شریک ہوئے اور ازاں بعد کنونشن میں پھر ملنے کے حسین وعدوں کے ساتھ رخصت ہو گئے۔ اب ادارے کو چند دن تک ان کا پھر انتظار رہے۔

طلوع اسلام کنونشن

نمائندگان کے اجلاس کے انعقاد تک اندازہ یہ تھا کہ ملک کے انتخابات ۱۵۔ نومبر تک ختم ہونگے۔

اس لئے فیصلہ یہ کیا گیا کہ کنونشن ۱۹ - لغایت ۲۲ - نومبر کو منعقد کی جائے۔ لیکن اس کے بعد اعلان ہوا کہ مغربی پاکستان میں انتخاب ۹ - نومبر تک ختم ہو جائیں گے۔ اس لئے یہ سوچا گیا کہ کنونشن کی تاریخوں کو بھی ایک ہفتہ پیچھے کیوں نہ ہٹا لیا جائے۔ لہذا اب طے یہ پایا ہے کہ

کنونشن ۱۲ - لغایت ۱۵ - نومبر (جمعرات - جمعہ - ہفتہ - اتوار) کو منعقد کی جائے -

اس کے متعلق بزموں کو اطلاع دی جا چکی ہے۔ کنونشن میں صرف وہی احباب شریک ہو سکیں گے جنہیں ادارہ کی طرف سے شرکت نامہ بھیجا جائے گا۔ البتہ کھلے اجلاس میں عام حضرات شریک ہو سکیں گے۔ اس کے متعلق الگ پروگرام شائع کیا جائے گا۔

بزموں کے لئے

نمائندگان کے اجلاس کے فیصلے کے مطابق "قرآنی فکر سے متعلق ضروری پمفلٹ ازسرِنو چھپوائے جا رہے ہیں۔ جو کنونشن تک تیار ہو جائیں گے۔ اور بزموں کو حسب سابق معمولی قیمت پر دیئے جائیں گے - بزموں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے ہاں طے کر لیں کہ انہیں کس قدر پمفلٹ درکار ہوں گے۔

کنونشن پر تحفہ

ادارہ نے طے کیا ہے کہ وہ کنونشن کی تقریب پر اپنی کتابیں خاص رعایتی قیمت پر پیش کریگا - یہ رعایت ادارہ کی طرف سے کنونشن کا تحفہ ہوگی۔

کراچی میں درسِ قرآن

کراچی میں ٹیپ پر پرویز صاحب کے درس قرآن کے لئے جدید انتظامات کئے جا رہے ہیں۔
امید ہے کہ اس پرچہ کی اشاعت تک یہ انتظامات مکمل ہو چکے ہوں گے
اس سلسلہ میں حسب ذیل احباب سے دریافت کر لیا جائے۔

(۱) محترم لطیف الرحمٰن صدیقی - ۶/۵ بزرٹا لائن - صدر کراچی - ٹیلیفون نمبر ۵۵۱۲۷

(۲) محترم محمد اسلام - ۲۰۵ میرٹ روڈ - ٹیلی فون نمبر ۳۵۰۸۰

(۳) محترمہ بیگم شیخ عبدالسلام صاحب ۲۹/۲ وٹھل بھائی پٹیل روڈ - جمشید روڈ۔

حقائق و عبر

۱- قیاسات کی جنگ

امریکہ اور روس نے چاند اور دیگر اجرام فلکی پر پہنچنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں، لیکن ہمارا مذہبی طبقہ بھی بیکار نہیں بیٹھا۔ انہوں نے بھی ابھی سے اس میدان کا رخ کرنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ ہمارے پاس استفسارات آرہے ہیں جن میں پوچھا گیا ہے کہ اگر کسی ستارے پر آبادی مل گئی تو ان لوگوں کے ساتھ ہمارا "شرعی رابطہ" کس قسم کا ہوگا۔ (غالباً نکاح سے مراد ہے) اور کیا ان کی کتاب بھی قرآن شریف ہوگی۔ اگر وہاں ابھی تک انبیاء کرام کا سلسلہ جاری ہے تو پھر حضور نبی اکرم خاتم النبیین کس طرح قرار پائیں گے۔ کیا وہاں کے نبیوں کے سردار بھی ہمارے رسول ہی ہونگے۔ اگر وہ شریعت محمدی پر نہ ہوئے تو کیا ان کا شمار "اہل کتاب" میں ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ

آپ اندازہ فرمایئے کہ جس قوم کے سامنے زندگی کے مقاصد کچھ نہ ہوں وہ کس قسم کے مسائل کا حل دریافت کرنے میں اپنا وقت اور توانائی ضائع کرتی ہے۔ ابھی تو بات استفسارات تک ہے۔ تھوڑا سا وقت اور گذر جانے دیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ہمارے ہاں کے مختلف فرقوں میں انہی مسائل مبہمہ پر کس کس قسم کے مناظرے ہوتے ہیں اور کس طرح ایک دوسرے کو کافر قرار دیا جاتا ہے۔ اس قسم کے مسائل تو آپ کے ہاں پہلے بھی، مختلفہ عقیدہ۔ چلے آرہے ہیں اور ان کی وجہ سے اکثر سر پھٹول ہوتی رہتی ہے کہ خدا جھوٹ بولنے پر قادر ہے یا نہیں۔ خدا، رسول اللہ کا نظیر پیدا کر سکتا ہے یا نہیں۔ یا اگر مرد جہنم میں چلا گیا اور اس کی بیوی جنت میں تو کیا وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکے گی یا نہیں — سوچئے کہ ایسی قوم دنیا میں زندہ رہ سکتی ہے؟

(۲) مجرم کون ہے

۱۷ اگست ۱۹۶۳ء کے روزنامہ مشرق (لاہور) میں حسب ذیل خبر شائع ہوئی ہے

ماں سے سولہ دن کی بچی کا بھوک سے تڑپنا نہ دیکھا گیا اور وہ دیوانوں کی طرح بچی کو لے کر گھر سے باہر نکل آئی اس نے ایک خاتون کا پرس چھین کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن پکڑی گئی۔ ماں کی اس حرکت سے بچی کی بھوک تو ختم نہ ہو سکی۔ البتہ اُسکی زندگی کا (۱۶) سولہ دن حوالات کی آہنی سلاخوں کے پیچھے گزرا۔

حشمت بی بی نے بتایا کہ پانچ سال قبل اس کی شادی ملتان روڈ کے ایک نوجوان مسکین سے ہوئی تین سال تک دونوں میاں بیوی بڑی خوشگوار ازدواجی

زندگی بسر کرتے رہے۔ چند ماہ پہلے اچانک اس کا شوہر بیمار ہوگیا اور اس کی بیماری طول پکڑتی چلی گئی۔ حشمت بی بی نے شوہر کا علاج کرنے کے لئے اپنی تمام پونجی لٹا دی۔ لیکن وہ صحت یاب نہ ہوا آخر اسے ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا اب حشمت بی بی پر گھر کے اخراجات کا بوجھ بھی آپڑا اور اس نے محنت مزدوری کرکے اپنا اور اپنے خاوند کا پیٹ پالنا شروع کر دیا۔

سولہ روز قبل حشمت بی بی کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی اور اس طرح اس کی مزدوری بھی چھوٹ گئی۔

حشمت بی بی نے کہا وہ گذشتہ چار دنوں سے بھوکی تھی۔ اور اس فاقہ نے اس کی سولہ دن کی بچی کو بھی نڈھال کر دیا۔ اس سے بچی کی حالت نہ دیکھی گئی اور وہ اسے لے کر دودھ کی تلاش میں گھر سے باہر نکل آئی۔ حشمت بی بی نے کہا کہ اس نے کئی لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلایا، لیکن کسی نے اس کی دادرسی نہ کی۔ آخر اس نے ایک خاتون کا پرس چھین کر بھاگنا چاہا۔ تو پولیس نے اسے پکڑا اور حوالات میں بند کر دیا۔

ہم نہیں جانتے کہ اس کے بعد اس خاتون پر کیا گذری اور وہ اب کہاں ہے۔ نہ ہی ہم نے مزید تحقیق کے لئے اس خبر کو اپنے ہاں شائع کیا ہے۔ ہم جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ بے شک پولیس کی یہ ذمہ داری ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی چیز کو زبردستی چھینتا ہے تو اسے حراست میں لے لے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ بھی کسی کی ذمہ داری ہے یا نہیں کہ جو بچی اس طرح بلک بلک کر بھوک سے جان دے رہی ہو اس کے لئے سامان زیست مہیا کیا جائے!

ہمارے موجودہ معاشرہ میں تو کسی کی بھی ذمہ داری نہیں۔ اس لئے نہیں کہ یہاں ایسے مخیر افراد موجود نہیں۔ یہ بات افراد کے بس کی ہے نہیں۔ یہ ذمہ داری وہ معاشرہ اپنے سر پر لیتا ہے جو قرآن کی رُو سے قائم ہوتا ہے۔ یہ تمام خرابیاں اُس معاشرہ کے نہ ہونے سے پیدا ہوتی ہیں۔ جب قرآنی معاشرہ قائم ہو جاتا ہے تو اس میں آپ کو یہ الفاظ سنائی دیتے ہیں کہ

اگر دجلہ کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر جائے
تو خدا کی قسم عمرؓ سے اسکی بھی باز پرس ہو گی۔

مرتبہ: حسن الشرباصی الیسفوی
مترجمہ: سید نصیر شاہ میانوالی

قرآن کا معاشی نظام

ذیل کا گرانقدر مقالہ ماہنامہ الاسلام (مصر) کی مئی، جون کی مشترک اشاعت میں منظرِ عام پہ لایا گیا تھا۔ قارئین طلوعِ اسلام کی دلچسپی کے لئے اسے اردو کا جامہ پہنا رہا ہوں (مترجم)

طلوعِ اسلام

[اس مذاکرہ میں "نظام سرمایہ داری اور کمیونزم کی تردید۔ قرآن کا معاشی نظام اور اس کی تائید میں آیات قرآنی اور دیگر دلائل جو پیش کئے گئے ہیں۔ قارئین طلوعِ اسلام دیکھیں گے کہ پرویز صاحب ان تمام امور کو گذشتہ پندرہ برس سے پیش کرتے چلے آرہے ہیں۔ اس موضوع پر ان کی مستقل تصنیف "نظام ربوبیت" ان امور کی پوری پوری تشریح کرتی ہے۔ اس باب میں اس قدر توارد تعجب انگیز ہے لیکن یہ تو قرآن کا اعجاز ہے کہ اس پر جب بھی خالی الذہن ہو کر غور کیا جائیگا ہر شخص ایک ہی نتیجہ پر پہنچے گا۔ استدراک آخر میں ملاحظہ فرمائیے۔]

"ادارہ فقہ العصر الجدید" کی دسویں مجلس مذاکرہ میں "قرآن کا معاشی نظام" زیرِ بحث لایا گیا۔ یہ تمام مقالہ حسبِ سابق علامہ حسن الشرباصی کا مرتب کردہ ہے۔ مجلسِ مذاکرہ میں ذیل کے دس حضرات شامل تھے۔

۱۔ علامہ السید احمد السیفی ڈائرکٹر ادارہ فقہ العصر الجدید

۲۔ ڈاکٹر محمد الٰہی اسسٹنٹ ڈائرکٹر

۳۔ ڈاکٹر حبیب محفوظ، رکن ادارہ

۴۔ ڈاکٹر حسام الاسلام "

۵۔ ڈاکٹر احمد العطاری "

۶۔ علامہ حسن الشرباصی السیفوی "

۷۔ علامہ یوسف محمد المہدی "

۸۔ علامہ کبید الطوسی "

۹۔ ڈاکٹر فیاض الخالد فہمی "

۱۰۔ ڈاکٹر نجم الاسلام بیدار "

مجلسِ مذاکرہ میں شریک ہونے والے تمام حضرات کی باتیں ٹیپ کر لی گئی تھیں اسی ٹیپ سے پھر انہیں قلمبند کیا گیا ہے اس طرح نہ صرف یہ خیالات ان حضرات کے ہیں بلکہ الفاظ بھی انہی کے ہیں (ریاض العقاد، ایڈیٹر)

افتتاحیہ

مجلسِ مذاکرہ کی ابتدا تلاوتِ قرآنِ پاک سے ہوئی، اس کے بعد صدرِ مجلس حضرت علامہ السید احمد السیفی کی حسین آواز کانوں میں رس گھولنے لگی۔ طویل علالت کی نقاہت کے باوجود قرآن حکیم کے اس شیدائی کی آواز میں پہلے کی طرح برستی گھٹاؤں کی گھن گرج، پہاڑوں کا وقار، جھوٹے کہستاں کا ترنم، اور تغیر انقلاب کی مستیاں موجزن تھیں۔ میں علامہ موصوف کی تقریر لفظ بلفظ نقل کر رہا ہوں۔

علامہ السید احمد السیفی کا خطاب

رفقائے گرامی! آج ہم اپنے سفر کی انتہائی نازک منزل پر پہنچ رہے ہیں۔ ایک ایسا مسئلہ ہمارے پیش نظر ہے جس کی پیچیدگیوں نے نسلِ انسانی کو وقفِ اضطراب کر رکھا ہے۔ دعا کیجئے کہ ہم اپنے جذبات کی سطحیت سے بلند ہو کر قرآن حکیم سے اس مسئلہ میں رہنمائی حاصل کر سکیں۔ میں نے اس سلسلہ میں جو کچھ کتاب اللہ سے سمجھا ہے وہ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

رفقائے محترم! اس وقت دنیا میں دو معاشی نظام برسرِ عمل ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام اور کمیونزم۔ ان میں سے اول الذکر کے متعلق ہمیں کچھ کہنا نہیں چاہتا کونسا دل ہے جو اس جابرانہ نظام کی ناوک نازی

سرمایہ دارانہ نظام

سے چھلنی نہیں اور کونسا دماغ ہے جس میں اس کے خلاف نفرت و حقارت کا لاوا انگڑائیاں نہیں لے رہا۔ تاریخ کے پاس اس کی چیرہ دستیوں کے خونچکاں افسانوں کا حیرت انگیز سرمایہ موجود ہے۔ یہ نظام نہیں ایک وحشی درندہ ہے جس کے آہنیں جبڑوں سے کروڑوں بدنصیب انسانوں کا خون ٹپک رہا ہے۔ یہی نظام ہے جس نے انسانوں کی منڈیاں سجائیں اور ضمیر و ایمان جیسی متاع بیش بہا کو نیلامی کا مال بنا دیا۔ اس نے انسانوں کے سینے دکھوں سے بھر دیئے ہیں کونسی زبان ہے جو اس کی بقا کیلئے عوعا ہو۔ بلکہ حالت یہ ہے کہ اگر اس موذی نظام کا جنازہ تیار ہو تو نہ اس پر آسمان روئے گا نہ زمین ماتم کرے گی۔ پس اس کے ابطال کے لئے دلائل فراہم کرنے کی ضرورت نہیں۔ دکھیاری انسانیت اس عفریت سے نجات پانے کے لئے صدیوں سے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔ مگر اسے کوئی ترکیب نظر نہیں آتی۔ مارکس نے دعویٰ کیا تھا کہ اس کا علاج صرف میرے پاس ہے مگر میری دوا استعمال کرنے سے پیشتر چند پرہیزی تدابیر اختیار کرنا ہونگی اور وہ یہ ہیں کہ خدا کو چھوڑ دو اور دین و اخلاق کو بے معنی سمجھو۔ انسانیت سرمایہ داری کے عفریت سے نجات پانے کے لئے اتنی بڑی قربانی دینے پر بھی آمادہ ہو گئی اس نے وہ آخری دیوار بھی گرا دی جس کے ساتھ اپنی دکھیاری پیٹھ ٹیک سکتی تھی مگر اس کے بعد اسے ملا کیا؟ میں اسے ذرا تفصیل سے بیان کروں گا۔

کمیونزم

اشتراکیت کے گلنار پھریرے جب مزدور کے وطن عزیز پہ لہرائے تو لینن نے مزدوروں اور کسانوں کو یہ حسین سپنا عطا کیا تھا کہ "کام اہلیت کے مطابق دام ضرورت کے مطابق" مگر یہ خواب عملاً ایک دن بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوا اور جلد ہی روس کے قصر اقتدار سے یہ آواز گونجی "کام اہلیت کے مطابق دام قوت کارکردگی کے مطابق" مگر پھر سوال پیدا ہوا کہ اس طرح اگر مزدور بھی آٹھ گھنٹے مٹی کے ٹوکرے اٹھائے اور ڈاکٹر بھی آٹھ گھنٹے کام کرے تو ان کی آمدنی برابر ہوگی؟ یہ سوال بڑا اہم تھا اس لئے قصر اقتدار کا سکوت پھر ٹوٹا اور آواز آئی "کام اہلیت کے مطابق دام کام کی نوعیت کے مطابق" اس اصول کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود بالشویکوں میں وہ طبقات پیدا ہو گئے جنہیں مٹانے کے لئے وہ میدان میں اترے تھے۔ اس طرح کمیونزم کی عظمت و شوکت کا ایوان سرمایہ داری کے اژدہا کی ایک ہی جنبش سے زمین بوس ہو گیا۔ لینن کے بعد جب سٹالن انسانیت کا نجات دہندہ بن کر میدان میں آیا تو اسے معلوم ہوا کہ مگی بندھی آمدنی کے باعث لوگ کام سے جی چراتے ہیں۔ اس نے انہیں کام پر ابھارنے کے لئے بلیک مارکیٹنگ کا ایک جدید اور انتہائی چابکدست طریق ایجاد کیا۔ اس نے کہا "اتنے وقت میں اتنا کام انجام دو اگر اس سے زیادہ کام کرو گے تو انعام ملے گا" اس طرح کام کی اوسط بڑھائی جاتی رہی اور بعد کے مزدور کی قوت کار کو آخری حد تک سونت دیا گیا۔

اجمل تمیمی — روس میں بھی تنخواہوں میں سرمایہ دار ممالک کی طرح خطرناک تفاوت موجود ہے۔ روس میں ۸۰ روبل سے لے کر بارہ سو بلکہ ڈھائی ہزار روبل پانے والے بھی موجود ہیں۔ میکسم گورکی اپنی ایک ایک کتاب پر چھ چھ ہزار روبل رائلٹی وصول کرتا رہا۔ ۱۹۳۴ء میں جب نچلے درجہ کے لوگوں کی طرف سے کچھ شور اٹھایا گیا تو ایوان اقتدار نے واضح الفاظ میں اپنی پالیسی بیان کر دی۔

"یہ لوگ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ اشتراکیت مساوات کی داعی ہے اور روس کا مقصد افراد کی احتیاجات اور ضروریات کی یکساں کفالت ہے یہ لوگ بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں اشتراکیت کا مقصد صرف طبقاتی تقسیم کا خاتمہ ہے۔"

J!Stslin- Seventeenth Congrees-1934

اشتراکیت کے بہت بڑے داعی کامریڈ گون Gven کو مجبوراً کہنا پڑا۔

"روس میں ایک طبقہ حاکم ہے اور دوسرا محکوم دونوں کے معیار زندگی میں بڑا فرق ہے اول الذکر طبقہ محلوں میں رہتا ہے اور ثانی الذکر کارخانوں کے دھوئیں سے اٹی ہوئی اندھیری بیرکوں میں۔ گاڑیوں، جہازوں، بسوں، تھیٹروں، ریسٹورنٹوں اور تفریح گاہوں میں سرمایہ داری ممالک کی طرح معاشرتی تفاوت موجود ہے"

After The Revolution-P.67

میں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ بہرحال میری معروضات سے ثابت ہو گیا کہ روس میں اشتراکیت کا تجربہ ناکام ہو چکا ہے۔ اور جو لوگ سرمایہ داری کے خلاف اٹھے تھے اب پھر سرمایہ داری کا ناگ ان کی چھاتیوں کا دودھ پی رہا ہے۔

ڈاکٹر طبیب محفوظ — میں بصد ادب عرض پرداز ہوں کہ کمیونزم کے متعلق آپ کا فیصلہ ابھی اور محتاج تشریح ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ روس میں ذاتی ذرائع پیدائش Private Means Of Production ختم ہو چکے ہیں۔ اب روس میں کوئی کارخانہ دار نظر نہیں آتا جو مزدور کو معاشی طور پر استحصال Exploit کر سکے اور کوئی زمیندار نہیں رہا جو کسان سے ناجائز استفادہ کرے۔ کیا ذاتی ملکیت کا جنازہ اٹھ نہیں چکا؟

علامہ السید احمد السیفی — آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ مگر عملاً سب کارخانہ داروں سے بڑی کارخانہ دار اب حکومت ہے۔ کامریڈ گون لکھتا ہے۔

"ہاں ذاتی جائداد یہاں موجود نہیں ہر چیز حکومت کی ملکیت ہے۔ لیکن عوام اس جائداد کے محض محافظ ہیں اس جائداد کے خالق ہیں۔ اس کی عزت و توقیر کرتے ہیں اسے ضائع کرنے سے خوف

کھاتے ہیں مگر جب اس کے ثمرات چکھنے کا وقت آتا ہے تو مختصر سا حامل اقتدار گروہ اسکے سارے منافع ہڑپ کر جاتا ہے۔" (ایضاً ص۲۶)

اس طرح اجتماعی ملکیت کا اصول اپنانے کے باوجود وہی مظالم ہو رہے ہیں جنہیں سرمایہ دارانہ نظام میں روا رکھا جاتا ہے۔

ڈاکٹر محمد الٰہی

اتنا میں بھی عرض کر دوں کہ روس میں معاشی طبقات اسی طرح پیدا ہو گئے ہیں جس طرح سرمایہ دار ممالک میں ہیں۔ کارخانہ داری اور زمینداری کا خاتمہ ہو چکا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں مگر اب بھی سرمایہ دار لوگوں کو اپنی دولت منافع پر لگانے کے اعلیٰ مواقع حاصل ہیں حتیٰ کہ سیونگ بینکوں کا سسٹم جاری ہے جن میں جمع شدہ رقم پر تین سے دس فیصد تک سود ادا کیا جاتا ہے۔ گوس بینک روس کا سب سے بڑا بینک ہے جو مالدار طبقہ کو اپنے سرمائے منافع پر لگانے کے بہتر مواقع مہیا کرتا ہے اور بھاری سود ادا کرتا ہے۔

ڈاکٹر حسام الاسلام

جی ہاں اور یہ ایسا پروپیگنڈا نہیں جو دشمنوں کی طرف سے ہو۔ علامہ صاحب نے جو اقتباسات پیش کئے ہیں وہ دوستوں کی تحریروں سے ہی ہیں۔ میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ ڈیویز کی کتاب "مشن ٹو ماسکو" کی تعریف خود روس نے کی ہے مگر اس میں صاف لکھا گیا ہے کہ اونچے درجے کے سرکاری ملازم بڑے ٹھاٹھ سے رہتے ہیں اور دیہات میں ان کے ذاتی مکان بھی ہیں۔ اس طرح گویا ذاتی ملکیت کا کلی طور پر خاتمہ نہیں ہوا۔ چنانچہ سٹالینی آئین کی دسویں دفعہ یوں ہے۔

"کام کی تنخواہ اور اندوختہ ہیں گھروں اور گھریلو معاش ہیں۔ گھر کے فرنیچر ذاتی استعمال کی دوسری چیزوں میں شہریوں کی ذاتی ملکیت اور وراثت کے حقوق قانوناً محفوظ ہوں گے"

ڈاکٹر فیاض الخالد فہمی

سوسائٹی کے ہر غالب طبقہ کا اصول یہ ہوتا ہے کہ اپنی کمائی ہوئی پونجی اپنی آئندہ نسلوں کو منتقل کرے روس کے اونچے عہدیدار اس معاملہ میں بھی کسی سے پیچھے نہیں۔ ۲ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو سوویٹ مفت تعلیم کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا اب آٹھویں، نویں اور دسویں درجے کے طالب علموں کو ۲۰۰ روبل ٹیوشن فیس شہروں اور ۱۵۰ روبل دیہات میں دینی ہوتی ہے۔ کالجوں کے طلبا شہروں میں ۴۰۰ روبل اور دیہاتوں میں ۳۰۰ روبل دیتے ہیں اس طرح روپیہ والوں کے بیٹوں کو بہترین تعلیم ملتی ہے اس طرز پر سوچئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ روس میں تعلیم پر بھی طبقاتی تفاوت کا ثبوت

پنجے گاڑے ہوئے ہے۔

ڈاکٹر حبیب محفوظ | میں اپنی وضاحتوں کا متمنی تھا آپ حضرات کا شکریہ۔ میرا خیال ہے اب اصل موضوع پر علامہ صاحب روشنی ڈالیں۔

(اس پر ہر طرف سے "ٹھیک ہے" کی آوازیں آئیں اور علامہ صاحب فرمانے لگے)

علامہ السید احمد السیفی | برادرانِ محترم! ان تصریحات سے واضح ہوگیا کہ دکھیاری انسانیت کی نجات نہ سرمایہ داری میں ہے نہ کمیونزم میں تو پھر ہم کہاں جائیں؟ انسان تو اپنے لئے یہی کچھ سوچ سکتا ہے۔ جو ہمارے مرض کا علاج نہیں بلکہ سینکڑوں دیگر امراض کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ مگر مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہم مسلمان ہیں اور ہمارا اعتقاد ہے کہ جس نے ہمیں زندگی دی ہے اس نے زندگی گزارنے کے ڈھب بھی سکھا دیئے ہیں۔ آیئے اللہ کی پاک کتاب سے اس عظیم مسئلہ میں رہنمائی حاصل کریں خیال رہے کہ اس سلسلہ میں میں جو کچھ بھی عرض کروں گا وہ میری اپنی فرقانی بصیرت ہوگی اور میں اپنے آپ کو سہوہ خطا سے پاک نہیں سمجھتا۔

حضرات! اسلام ایک الگ منابطۂ حیات ہے نہ اسے کمیونزم کہا جا سکتا ہے نہ سرمایہ دارانہ نظام۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عام طور پر اسلام کا معاشی نظام جس طرح پیش کیا جاتا ہے وہ سرمایہ دارانہ نظام ہی کی دوسری شکل ہے مگر مجھے عرض کرنے دیجئے کہ جو لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں انہیں یا تو اسلام سے قطعی ناواقفیت ہے اور یا پھر دنیاوی جاہ و منصب حاصل کرنے کے لئے وہ سرمایہ داری پر اسلام کا ٹھپہ لگا دیتے ہیں تاکہ ان کے آقایانِ ولی نعمت اُن پر خوش رہیں۔ اسلام سرمایہ دارانہ نظام کا سخت دشمن ہے۔ اور اس نظام کے خلاف پہلی اور بیحد موثر آواز کی حیثیت رکھتا ہے قرآن حکیم کا یہ اعلان سرمایہ داری کے بت کو پاش پاش کر رہا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ (۹/۳۴-۳۵)

"اے ایمان والو! بلاشبہ اکثر احبار و رہبان (مذہبی پیشوا) لوگوں کا مال باطل طریقوں سے کھا جاتے ہیں اور اس طرح اس مال کو ربوبیتِ عامہ میں صرف کرنے سے روکتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو

چاندی سونے کے ڈھیر جمع کرتے ہیں۔ اور انفاق فی سبیل اللہ کا راستہ اختیار نہیں کرتے انہیں الم ناک سزا کی خبر دے دو۔ اس مال کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ اور ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ مال جسے تم نے جمع کر رکھا تھا سو آج اس کا مزہ چکھو۔

اس آیہ کریمہ میں سرمایہ داری پر بڑی کاری ضرب لگائی گئی ہے دیکھنا یہ ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کونسی چیز ہے؟ کیا ڈھائی فیصد ادا کر دینے سے انفاق کا مقصد ادا ہو جاتا ہے؟ اس کے لئے سب سے پہلے انفاق کے لغوی معانی پر غور کیجئے۔ انفاق کا مادہ نفق ہے جس کے معنی ہیں گزر کر برباد ہو جانا۔ نفق اس سرنگ کو بھی کہتے ہیں جس میں ایک طرف داخل ہونے کا اور دوسری طرف نکلنے کا راستہ ہو۔ "نافقاء" چوہے کے اس بل کو کہتے جس کے دو سوراخ ہوں ایک داخل ہونے کا دوسرا نکل بھاگنے کا۔ اس مختصر لغوی تشریح کے بعد اب قرآن سے سنئے کہ وہ انفاق فی سبیل اللہ کا کیا مفہوم لیتا ہے۔ ارشاد باری ہے

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۝ قُلِ الْعَفْوَ — یہ لوگ تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں انہیں کہہ جو کچھ اپنی ضروریات سے زائد ہو۔

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ جو کچھ بھی اپنی ضروریات سے زائد ہو اسے جمع نہیں رکھا جا سکتا اسے اللہ کی راہ میں صرف کر دیا جائے حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ حضور سرور کائنات صلعم نے فرمایا

"اے ابن آدم تیرے لئے ضرورت سے زائد مال کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بہتر ہے اور اسے روک رکھنا بُرے نتائج کا حامل ہے"

(مسلم شریف۔ ترمذی شریف)

حضرت بلالؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا

"تجھے جو رزق حاصل ہوا ہے اسے چھپا کر نہ رکھ اور اسے دینے میں بخل سے کام نہ لے میں نے (حضرت بلالؓ نے) عرض کیا "اے اللہ کے رسولؐ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" فرمایا "یا تو یہ روش اختیار کرنا ہو گی یا جہنم کا ایندھن بننا ہو گا" (الکبیر طبرانی مستدرک حاکم۔ کتاب الثواب ابو حیان)

حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ

"حضورؐ ایک روز احد کی طرف تشریف لے چلے میں بھی آپؐ کے ساتھ تھا آپ نے فرمایا "ابوذر!" میں نے کہا "لبیک یا رسول اللہ" آپ نے فرمایا

"آج جن کے پاس ڈھیروں دولت ہے کل وہی مفلس ہوں گے بجز ان کے جو ایسا کریں آپ نے اپنے ہاتھ دائیں بائیں، اور آگے پیچھے چلاتے ہوئے کہا (مراد یہ تھی کہ وہی لوگ، قیامت کے روز عظمت والے ہوں گے جو آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے دولت کو دوسروں کی طرف دھکیلیں گے۔) اور ایسے لوگ بہت کم ہونگے" پھر آپ نے فرمایا "ابوذر!" میں نے کہا "اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں فرمایئے کیا ارشاد ہے؟" آپ نے فرمایا "مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ میرے پاس کوہ احد جتنی دولت ہو اسے راہ خدا میں خرچ کرتا رہوں مگر مرون تو اس میں سے دو قیراط بھی چھوڑ جاؤں" میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ کیا فرمایا دو قنطار؟" آپ نے فرمایا "نہیں دو قیراط، ابوذر! تم زیادہ کی طرف جاتے ہو اور میں کم کی طرف" (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی)

ان تصریحات سے معلوم ہوگیا کہ قرآن حکیم نے کہیں بھی مال کو سمیٹ کر رکھنے کی اجازت نہیں دی، بلکہ ہر جگہ انفاق کی ترغیب دی گئی ہے۔ قرآن ان لوگوں کو جہنم کی وعید سناتا ہے جو دولت کے آگے بند باندھ کر اس کے بہاؤ کو روک دیتے ہیں۔

اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ۝

ایسے ناشکرے مخالف کو جہنم میں جھونک دو جو دولت کو روکنے والا، زیادتی کرنے والا اور دین کی حقانیت کے متعلق شک میں مبتلا ہے۔

انفاق کی راہ اختیار نہ کرنا اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودنے کے مترادف ہے۔

وَ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ

انفاق فی سبیل اللہ کی روش اختیار کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

ایک غیر اسلامی معاشرہ میں پیدا ہونے والا انسان اپنی ذات سے بلند ہو کر سوچ ہی نہیں سکتا وہ ہمیشہ اپنی فکر میں رہتا ہے، اسی لئے قرآن کہتا ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ یقیناً انسان ہر وقت کا بھوکا واقع ہوا ہے۔

اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جَمَعَ فَاَوْعٰى (جمع کرتا ہے اور پھر مُہر لگا کر بند کر دیتا ہے) وہ دولت کا عاشق ہوتا ہے اور کسی قیمت پر بھی اس سے جدا ہونا پسند نہیں کرتا وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ (انسانی دولت کے ساتھ شدید محبت رکھتا ہے) جب حرص زر اسقدر ترقی پذیر ہو جاتی ہے تو انسان ہر جائز اور ناجائز

طریقہ سے دولت ہتھیانے کی کوشش کرتا ہے قرآن اس ذہنیت پر ماتم کرتے ہوئے کہتا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ

تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو ہونٹوں پر زبان پھیر پھیر کر سس زر کا مظاہرہ کرتے ہیں اور مکر و فریب کی چالوں سے دولت اکٹھی کرتے ہیں پھر اُسے گن گن کر رکھتے ہیں [1]

ایسے لوگوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اپنی کمائی پر بھی صبر نہیں کر سکتے بلکہ اس تاک میں رہتے ہیں کہ کب کوئی مرے اور اس کا مال وہ سمیٹ لیں۔ قرآن اس ذہنیت کی نقاب کشائی کرتا ہے۔

وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ۝ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا

انہیں ہر ایک کا ترکہ سمیٹنے کی پڑ جاتی ہے اور مال سے سخت محبت کرتے ہیں (ایسی سخت جیسے چیونٹا گڑ سے چمٹ جاتا ہے کہ جان دے دیگا مگر اُسے نہیں چھوڑ یگا۔ حُبًّا جَمًّا کا یہی مفہوم ہے)

اور حرص و ہوس کا یہ مرض اتنا شدید ہوتا ہے کہ اس کا مریض ہمیشہ دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں ہوتا ہے اور ہوس کا منہ قبر کی مٹی سے بھرتا ہے۔

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ — ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی دُھن جس کا سلسلہ قبر تک جاری رہتا ہے یہی تمہاری ہلاکت کا باعث ہے۔

قرآن اس ذہنیت سے سخت بیزار ہے وہ ذاتی مفاد کو اجتماعی مفاد پر قربان کرنے کے حسین جذبات پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اسی لئے اُس نے بخل (اپنی ذات کے لئے سب روک رکھنا) کے مقابلہ میں انفاق کا حکم دیا ہے اسی انفاق کو دوسرے لفظوں میں زکوٰۃ سے تعبیر کیا ہے۔ زکوٰۃ کے معنی ہیں نشو و نما، پرورش یعنی خدا کی راہ میں خرچ کیا ہوا مال ضائع نہیں جاتا بلکہ برگ و ثمر لاتا ہے اور پورے معاشرہ کے لئے نشو و نما کا باعث بنتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب اس سے پورے معاشرہ کی پرورش ہوتی ہے تو لازماً اُس فرد کی بھی پرورش ہوتی ہے جو زکوٰۃ ادا کرتا ہے وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ (جو چیز بھی خدا کی راہ میں صرف کی جائے وہ برگ و بار لاتی ہے) اور ظاہر ہے کہ اصل نیکی اور بھلائی یہی ہے کہ انسان دوسروں کے لئے جیئے اور دوسروں کے لئے مرے۔ لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ (تم نیکی تک پہنچ ہی نہیں سکتے جب تک تم اپنی متاعِ عزیز کو دوسروں کے لئے صرف نہ کرو)

---

[1] اس مفہوم پر جو اعتراض ہوا اس کا ذکر آخر میں آئیگا (ع۔ش)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر انسان اسی طرح اپنی کمائی ہوئی دولت دوسروں پر لٹاتا رہے تو پھر کل کو اگر وہ خود محتاج ہو جائے تو کون اس کی مدد کرے گا؟ یہ سوال صرف ان ذہنوں میں پیدا ہو سکتا ہے جو قرآن کے بعض احکام لے کر انہیں اپنے معاشرہ میں فٹ کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھیئے اسلام ایک الگ نظامِ زندگی اور الگ ضابطۂ حیات ہے وہ نہ کسی کافرانہ نظام میں مدغم ہو سکتا ہے اور نہ اس کے ساتھ ذرا سی مصالحت کر سکتا ہے۔ اسلئے میں جو احکام سنا رہا ہوں یہ قرآنی معاشرہ کے احکام ہیں۔ وہ قرآن جس کا دعویٰ ہے کہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ مستحق حمد و ستائش تو وہ حکومتِ الٰہیہ ہے جو تمام اقوام عالم کی ربوبیت کرتی ہے۔

اللہ سے مراد حکومت الٰہیہ

ممکن ہے بعض حضرات کے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہو کہ میں نے اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے اللہ کی بجائے حکومتِ الٰہیہ کا لفظ کیوں استعمال کر دیا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں جہاں بھی اللہ کا لفظ استعمال ہوا وہاں اللہ کا قانون مراد ہوتا ہے۔ مَنْ یُّقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا (جس نے اللہ کو قرض دیا) کو دیکھئے اس میں اگر اللہ سے ذاتِ خداوندی مراد لی جائے تو کس قدر غلط تصور پیدا ہوتا ہے۔ معاذ اللہ اللہ کو بھی قرض کی ضرورت ہے۔ نہیں بالکل نہیں۔ پھر اس آیت کا مفہوم کیا ہوگا یہی نا کہ جس نے حکومتِ الٰہیہ کو قرضِ حسنہ دیا۔ اللہ نے قرآن میں بیشتر مقامات پر مخلوق کے رزق کی ذمہ داری لی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ روزانہ سینکڑوں انسان بھوک کے مرتے ہیں۔ قحط، تاریک ہاتھ بڑھتا ہے اور روزانہ کروڑوں انسانوں کی زندگیوں کے چراغ گل ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ کیسی ذمہ داری ہے کہ اس قدر مخلوق بھوکی مرتی ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ بذاتِ خود یہ ذمہ داری پوری کرتا ہے وہ جب بیان کردہ حقائق پر غور کرتے ہیں تو ان کے دماغوں میں مارکسزم Marxism انگڑائیاں لینے لگتی ہے۔ مگر ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی یہ ذمہ داری اس حکومتِ الٰہیہ سے پوری ہوتی ہے جس کے قیام کا خدا نے حکم دیا ہے۔ قرآنِ حکیم نے اس کی صراحت بھی کر دی۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰہُ اَطْعَمَہٗٓ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کی روش اختیار کرو تو کفار کہتے ہیں اگر اللہ ہی چاہتا ہے تو وہ خود انہیں کھلائے ہم کیوں کھلائیں، انہیں کہہ دیجئے کہ تم لوگ کس قدر بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔

دیکھئے اس آیت میں کس وضاحت سے بتایا گیا ہے کہ خدا خود نہیں کھلایا کرتا اس کا قائم کردہ نظام اس چیز

کا ضامن ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آیہ[1] مذکور الصدر میں بھی اللہ سے مراد حکومتِ الٰہیہ ہے اب لفظ رب پر غور کیجئے۔ "رب" کے معنی ہیں پرورش کرنے والا، تربیت دینے والا، نشو و نما دینے والا، پروان چڑھانے والا، نقطۂ آغاز سے نقطۂ انجام تک پہنچانے والا۔ گھر کا وہ بڑا بوڑھا اور کمانے والا فرد جو پورے گھر کی نشو و نما، پرورش اور تربیت کا ذمہ دار ہو "رب البیت" کہلاتا ہے۔ گویا اس آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ تمام مخلوق[2] اللہ کا کنبہ ہے۔ اسی چیز کو حضور صلعم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا

الخلق عیال اللہ - مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔

یعنی ساری مخلوق ایک کنبہ ہے اور اس کنبہ کی پرورش و تربیت کرنے والی حکومتِ الٰہیہ ہے۔ غور کیجئے تو قرآن کا سارا معاشی نظام اسی آیت میں سما گیا ہے۔ اور یہی قرآن کا اعجاز ہے۔ ایک کنبہ میں کون کونسی خصوصیات میں ذرا تعمق سے دیکھئے۔

کنبہ کی خصوصیات

کنبہ کی سب سے پہلی خصوصیات تو یہ ہے کہ اس میں تمام افراد کی ذمہ داریوں کا بوجھ صرف ایک آدمی کے کندھوں پر ہوتا ہے۔ ہر ایک کی پرورش و پرداخت اُسی کے سر ہے سو قرآنی نظام کی پہلی خصوصیات بھی یہ ہوئی کہ تمام افرادِ مملکت کی جملہ ضروریات حکومتِ الٰہیہ کے ذمہ ہیں۔ روٹی کپڑا، مکان، تعلیم، طبی امداد اور روزگار مہیا کرنا یہ سب ذمہ داریاں حکومت کے سر ہیں ایسے معاشرہ کو قرآن حکیم جنت قرار دیتا ہے اور اس کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى

تمہیں نہ بھوک کی تکلیف ہے نہ لباس کی نہ پیاس کی نہ دھوپ کی (یعنی جنت میں بھوک، پیاس پوشاک اور مکان کی تکلیف نہیں)

جی ہاں ایک جنت تو مرنے کے بعد ملے گی اور ایک جنت اسی دنیا میں ملے گی اُس وقت جب قرآنی نظام قائم ہوگا گویا جنت ایک نہیں دو ہیں۔ کتاب اللہ میں ہے

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۔ جو اپنے رب کی خشیت رکھتا ہے اس کے لئے دو جنتیں ہیں

---

[1] الحمد للہ رب العلمین کی مفصل تشریح مطلوب ہو تو علامہ موصوف کی کتاب "تفسیر سورہ فاتحہ دیکھئے"

[2] مولانا حالی مرحوم نے بھی اس آیت کا یہی مفہوم سمجھا تھا دیکھئے وہ کہتے ہیں (عبد الحق العقاد)

[3] یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدیٰ کا — کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا (مترجم)

واقعۂ آدم کے تمثیلی انداز میں یہی بتایا گیا ہے کہ اگر ابلیس کی فریب کاریوں سے متاثر ہو کر تم نے احکام خداوندی کی خلاف ورزی کی تو تم ایک کنبہ نہیں رہو گے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہونے کی بجائے ایک دوسرے سے کٹ جاؤ گے بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (ایک دوسرے کے دشمن ہو جاؤ گے) کیونکہ خدا کا اصول یہ ہے کہ

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا [1]

جو قوم بھی ہمارے قانون سے اعراض برتے گی اس میں معاشی ناہمواریاں راہ پا جائیں گی۔

اور جب کسی معاشرہ میں معاشی ناہمواریاں نمودار ہوتی ہیں تو انسان انسان کا شکاری بن جاتا ہے۔ خیر تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ تمام افراد معاشرہ کی جملہ ضروریات قرآنی مملکت کے سربراہ پر عائد ہوتی ہیں اور یہ ذمہ داریاں اتنی نازک ہیں کہ ذرا غفلت ہوئی اور انسان سے خدا روٹھ گیا۔ حضور صلعم کا ارشاد ہے

"جس بستی میں کوئی شخص صبح اس حال میں اٹھا کہ وہ رات بھر بھوکا رہا تو پھر اللہ تبارک و تعالیٰ پر اُس بستی کے بچاؤ و تحفظ کی کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہ جاتی" (مسند امام احمد بن حنبل نشر کردہ احمد محمد شاکر حدیث نمبر ۴۸۸۸)

یہی وہ احساس تھا جس نے خلفائے راشدین سے دنوں کا چین اور راتوں کی نیند چھین لی تھی۔ اور اسی احساس سے کانپتے ہوئے فاروق اعظمؓ فرمایا کرتے تھے۔

"اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مر گیا تو عمرؓ سے اس کی بھی باز پرس ہوگی" (ایضاً، طبرانی، کتاب الخراج لابی یوسف)

اس لئے کہ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (زمین میں چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری حکومت الٰہیہ پر نہ ہو)

ان تصریحات سے یہ وضاحت مقصود تھی کہ جس طرح کنبہ کا سربراہ ہر فرد کی ضروریات کا ذمہ دار ہوتا ہے اسی طرح قرآنی حکومت بھی تمام افراد کی جملہ ضروریات پوری کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔ خلفائے راشدین نے اس عظیم ذمہ داری کو جس طرح پورا کیا اس کا ذکر تاریخ کے صفحات پر آج بھی اپنی تابناکی میں بے مثال ہے۔ میں ان واقعات کو عمداً نظر انداز کر رہا ہوں کیونکہ ایک تو اس طرح خواہ مخواہ کی طوالت آجائیگی دوسرے میں عوام سے مخاطب نہیں

---

[1] "ضنکا" کا صحیح مطلب "ناہمواری" ہے تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ موصوف کی کتاب "تفسیر سورہ فاتحہ" اور جیلانی کی کتاب "مقدمہ لسان القرآن" (ع۔ ش)

ہوں میں آپ لوگوں سے باتیں کر رہا ہوں اور یہ چیزیں آپ سے پوشیدہ نہیں میں سورج کو چراغ دکھانے میں کیوں وقت ضائع کروں ؟

کنبہ کی دوسری خصوصیت اجتماعی کفالت اور تعاون باہمی

کنبہ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ کنبہ کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ مکمل تعاون کرتے ہیں دوسرے کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتے ہیں۔ کنبہ کا سربراہ ہر حالت میں کنبہ کے افراد کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے خود روکھی سوکھی کھائے گا مگر بچوں کو قسم قسم کے نعائم کھلانے کی کوشش کریگا۔ قرآنی معاشرہ کے افراد کی بھی یہی حالت ہوتی ہے

يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

(مسلمان اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ خود تنگی کی حالت میں ہوں)

وہاں مفاد خویش کو مفاد کل پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ بال بچوں والو اپنے کلیجوں پر ہاتھ رکھ کر مجھے بتاؤ کہ کیا تم میں سے کبھی کسی باپ کو یہ خیال بھی آیا ہے کہ محنت کرنے والا اور کمانے والا تو میں ہوں پھر میں کیوں اپنی کمائی دوسروں پر نچھاور کر دیتا ہوں۔ اُس کی عقل آخر اُسے کہتی تو ہوگی کہ وہ بہت بڑی حماقت کا مرتکب ہو رہا ہے مگر اُس کے اندر وہ کونسی سلیم ہستی جلوہ گر ہے جو اس کی عقل کو فریب کاریوں کا موقع نہیں دیتی۔ وہ کون ہے جو اسے اندر سے سمجھا رہا ہے کہ یہ سب کچھ تم اپنے بھلے کے لئے کر رہے ہو۔ اسی چیز کو قرآن انفاق قرار دیتا ہے یہی وہ جذبۂ مقدس ہے جو انسان کو اتنی بڑی قربانی کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

"انفاق" کسی خیرات کا نام نہیں کہ آپ دوسروں پر احسان دھریں جس طرح اپنے بچوں کو پالنا اور ان کی تمام ضروریات کا خیال رکھنا آپ کا فرض ہے اسی طرح انفاق بھی آپ کا فرض ہے۔ بلکہ اپنے کنبہ کی ضروریات پوری کرنا ہی دوسرے لفظوں میں انفاق ہے۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ افرادِ خاندان کی نگہداشت میں آپ کا اپنا بھلا ہے اسی لئے قرآن بھی کہتا ہے۔

وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ ۔ تم جو کچھ خدا کی راہ میں صرف کرو اس میں تمہارا اپنا بھلا ہے۔

پس یہ معروف معنوں میں کوئی خیرات نہیں کہ بیکاری نے آپ سے کچھ مانگا اور آپ نے موج میں آکر اُسے ایک حقیر سا سکہ دے دیا۔ نہیں، جس طرح آپکی کمائی میں آپ کے بچے برابر کے حقدار ہیں اسی طرح قرآنی معاشرہ میں ہر فرد کی کمائی میں محتاج اور محروم کا حق ہوگا اور وہ اپنا حق وصول کریگا خیرات نہیں لیگا۔

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۔ مسلمانوں کی کمائی میں محتاج اور محروم کا حق ہے۔

جس طرح اپنے کنبہ میں بچوں کی پرورش کو ان پر احسان نہیں سمجھا جاتا اسی طرح قرآنی معاشرہ میں بھی آپ اپنی کمائی

کو کھلا کر کسی پر احسان نہیں کرتے ۔ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا ہ (ہم مسلمانوں کو انفاق کی راہ اختیار کرنے میں نہ کسی ستائش کی امید ہے نہ صلہ کی خواہش) کیونکہ اس طرح ہم اپنی بھلائی چاہتے ہیں اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی ہ (جو مال دیتا ہے وہ اپنی ذات کی نشوونما کرتا ہے)۔

ایک اور طرح سے سوچئے ایک کنبہ میں بہت سے افراد ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو کمانے والے ہوں مگر وہ اپنی تمام کمائی سربراہ خاندان کے سامنے ڈھیر کر دیتے ہیں اور وہ ہر ایک کی ضروریات کو ملحوظ رکھ کر تمام جمع شدہ پونجی لٹا دیتا ہے وہ یہ نہیں دیکھتا کہ کمانے والوں کی محنت کا ماحصل ان بچوں کی طرف نہ جائے جنہوں نے نہ کچھ کمایا ہے نہ کما سکنے کے قابل ہیں۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ یہ تمام کنبہ ایک جسد واحد کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآنی معاشرہ کی بھی یہی حالت ہے وہاں بھی ایسے افراد ہو سکتے ہیں جو کام کرنے کے قابل نہ ہوں یا جنہیں موزوں کام نہ مل سکے گا۔ وہ جو کام کرنے کے قابل ہیں ان کے دلوں میں کھٹک پیدا نہیں ہوگی کہ وہ اپنی کمائی بیکار لوگوں پر کیوں نثار کریں کیونکہ امت مسلمہ بھی ایک جسد واحد کی طرح ہے حضور صلعم نے اس حسین احساس کی تصویر کشی کیسے دلکش انداز میں کی ہے فرماتے ہیں۔

"باہم لطف و کرم اور انس و محبت میں مسلمانوں کا حال جسم واحد کا سا ہے کہ جب ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو بدن کے تمام اعضاء بے خوابی اور بخار کے ذریعے اس کے شریک غم بن جاتے ہیں [۱]"		(متفق علیہ)

اسی طرح سرور کائنات صلعم نے ایک مومن اور دوسرے مومن کے درمیان تعاون و تکافل کی ایک اور لطیف اور معنی خیز تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

"ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی اینٹوں کی مانند ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو تھامے اور سنبھالے رکھتی ہے"		(بخاری۔ مسلم)

تعاون اور تکافل کا یہ وہ بلند ترین مقام ہے جس تک یورپ کا تصور آج تک نہیں پہنچ سکا۔

رہی یہ بات کہ کنبہ کا سربراہ اپنی اور دوسروں کی ضروریات کا تعین کس طرح کرے گا۔ سو اس کا جواب وہ تمام تابندہ نقوش ہیں جو صفحہ دہر پر خلفائے راشدین نے چھوڑے ہیں۔

---

[۱] شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی حدیث کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند — کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار		(مترجم)

غرض یہاں سے آپ کو معلوم ہو کہ جس طرح کنبہ کے افراد کا سب کبھی اپنی کمائی سربراہِ کنبہ کے حوالے کر کے اپنی اور دوسروں کی ضروریات سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اسی طرح اسلامی نظام میں تمام افرادِ معاشرہ اپنی کمائیاں خلیفۃ المسلمین کے حوالے کر کے اپنی اور دوسروں کی ضروریات سے مستغنی ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس جو شخص اس طرح کا نظام قائم نہیں کرتا اور پھر اس بات کا مدعی ہے کہ وہ اسلام پر چل رہا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ

کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو اسلامی نظام کو جھٹلاتا ہے یہ وہ ہے جو معاشرہ میں بے سہارا لوگوں کو دھتکارتا ہے اور ان لوگوں کی روٹی کا انتظام نہیں کرتا جن کا کاروبار کسی وجہ سے رک گیا ہو (مسکین)، پس تباہی ہے ان نمازیوں کے لئے جو نماز کے مقصد سے غافل ہیں دکھاوے کے نمازی بنے پھرتے ہیں اور حالت یہ ہے کہ معمولی لین دین کی چیزیں بھی ایک دوسرے کو دینے سے منع کرتے ہیں۔

ان آیاتِ مقدسہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ "صلوٰۃ" اور "زکوٰۃ" ایک دوسرے سے الگ نہیں۔ صلوٰۃ کے لغوی معانی "باہمی تعاون" کے ہیں اور "زکوٰۃ" کا مفہوم ہے "سامانِ نشوونما" مہیا کرنا۔ جن لوگوں نے رسمی نمازوں اور بے روح سجدوں کو ہی "صلوٰۃ" سمجھ رکھا ہے انہیں ان آیات سے عبرت لینی چاہیئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ موجودہ نمازیں ترک کی جائیں میرا مطلب محض یہ ہے کہ ان نمازوں میں وہ روح پیدا کی جائے جو تعاونِ باہمی پر آمادہ کرتی ہے۔ یاد رکھیئے صلوٰۃ و زکوٰۃ الگ چیزیں نہیں یہ اس درخشاں نظام کے دو اولین ارکان ہیں جسے رسولِ اکرم صلعم نے قائم فرمایا تھا۔ اسی لئے تو مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد پر آمادہ ہوتے ہوئے جناب صدیقؓ نے فرمایا تھا۔

مَن فرق الصلوٰۃ والزکوٰۃ فقد کفر (بخاری و مسلم) جس نے صلوٰۃ و زکوٰۃ میں تفریق کی وہ کافر ہوا

مگر یہ بھی یاد رکھیئے کہ یہ اسلامی نظام کے ارکان ہیں ان کے پیوند آپ دوسرے نظامہائے زندگی میں نہیں لگا سکتے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ

مسلمان وہ ہیں کہ اگر انہیں زمین میں حکومت مل گئی تو یہ صلوٰۃ کا نظام قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے

یہاں قیام صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ کے لئے تمکن فی الارض کی شرط عائد کی گئی ہے ظاہر ہے کہ یہ رسمی صلوٰۃ[1] و زکوٰۃ نہیں جو آپ اغیار کی محکومی میں بھی سرانجام دے لیا کرتے ہیں بلکہ وہ صلوٰۃ مراد ہے جو فحش اور منکر سے روکتی ہے ۔

(اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ)

اللہ تعالیٰ اسلامی حکومت کے سربراہ سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ تمام افرادِ معاشرہ کی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر رکھے اور افرادِ معاشرہ سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنا حاصل کردہ مال اجتماعی مصالح کے لئے کھلا رکھیں ۔ اگر سربراہِ مملکت اس فریضہ کی انجام دہی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا تو وہ اللہ اور رسول کا قائمقام ہوگا ۔ اس کے خلاف جنگ کرنے والوں کو اللہ اور رسول سے جنگ کرنے والا شمار کیا جائے گا ۔ اور اگر افرادِ معاشرہ قرآن کے احکام انفاق پر عمل پیرا ہیں تو اللہ اور رسول کی حکومت ان کی جملہ ذمہ داریوں کو اپنے کندھوں پر اٹھالیگی اس طرح حکومت اور افراد کے درمیان ایک نئی قسم کا معاہدہ ہوگا قرآن اس معاہدہ کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَہُمْ وَاَمْوَالَہُمْ
بِاَنَّ لَہُمُ الْجَنَّۃَ

اللہ نے مسلمانوں سے جنت کے عوض ان کا جان و مال خرید لیا ہے ۔

کس قدر عجیب تجارت ہے کہ قرآنی حکومت افرادِ معاشرہ کی تمام ضروریات پوری کرے گی انہیں خوراک، لباس رہائش وغیرہ کی سی پریشانیوں سے نجات دلاکر جنتِ ارضی میں داخل کرے گی اور افرادِ معاشرہ اپنی جان و مال حکومت کے سپرد کردیں گے ۔ اس طرح کا نظام دنیا کی آنکھوں نے ریگزارِ عرب میں دیکھا تھا اور آج پھر وہ دور آرہا ہے کہ دنیا اس نظام کی طرف لپکے گی ۔

کنبہ کی تیسری خصوصیت
اجتماعی ملکیت

کنبہ کی تیسری اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ایک گھر کے افراد میں ملکیت کا سوال نہیں اٹھتا ۔ "میرا، تیرا" وہ الفاظ ہیں جو تمام فساد اور بگاڑ کی جڑ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ایک گھر اسی وقت تک آباد رہ سکتا ہے جب تک "میرا، تیرا" کے جھگڑے اس میں راہ نہیں پاتے ۔ بستے گھر میں کسی چیز پر کوئی شخص اپنی ملکیت نہیں جتاتا ۔ قرآن حکیم اسلامی معاشرہ کے افراد سے بھی یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ ملکیت کے جھگڑوں میں نہ پڑیں بلکہ یہ اعتقاد رکھیں کہ سب کچھ اللہ کا ہے چنانچہ زمین جو دولت کا سب سے بڑا

---

[1] صلوٰۃ کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے علامہ السید احمد السیفی کی کتاب تفسیر سورۃ البقرہ اور علامہ سید الجیلانی کی کتاب مقدمہ لسان القرآن دیکھئے (ح ۔ ش)

منبع ہے اُس کے متعلق ارشاد ہے۔

اَلْاَرْضُ لِلّٰہِ ۝ زمین اللہ کی ہے۔

یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ کی زمین پر آپ لکیریں لگا کر بیٹھ جائیں اور کہیں اتنا حصہ میرا ہے اور اتنا تیرا" نہیں زمین سے ہر ایک فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝

زمین میں تمہارے لئے ٹھکانا ہے اور ذلیت تک کی متاع

یہ متاع تمام افرادِ انسانی کے لئے ہے ہر ایک اس سے اپنی ضرورت کے مطابق مفاد حاصل کر سکتا ہے۔اسی لئے تو فرمایا کہ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ (حاجتمندوں کے لئے مساوی ہے)

اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں اپنے اختیار میں رکھی ہیں سورج کی روشنی، ہوا، پانی، سورج جب دریچہ مشرق سے جھانکتا ہے تو اس کی پاکیزہ کرنیں غریبوں کی جھونپڑیوں اور امیروں کے محلات میں تمیز نہیں کرتیں، غریب ہو یا امیر ہر ایک اپنی ضرورت کے مطابق ہوا میں سانس لے سکتا ہے باران رحمت کا نزول ہوتا ہے تو یوں نہیں ہوتا کہ کسی امیر کے قطعاتِ زمین پر وہ برس جائے اور درمیان میں پڑی ہوئی غریب کی مختصر سی اراضی کو پیاسا چھوڑ دے۔ رہی چوتھی چیز۔ زمین ۔۔ تو اس میں اللہ نے انسان کو خلیفہ بنایا ہے۔ [1]

اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۔ میں زمین میں ایک صاحبِ اختیار بھیجنے والا ہوں۔

اس خلیفہ کو چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ اصل مالک کے حکم کے مطابق سورج کی روشنی، ہوا اور بارش کی طرح زمین کو بھی تمام نوعِ انسانی کی ضروریات کے لئے مساوی قرار دیتا (سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ) مگر اس نے طاقتوروں کو اجازت دی کہ وہ بڑے بڑے رقبوں پر خود قابض ہوجائیں اور جس چیز کو اجتماعی ملکیت ہونا تھا اس پر انفرادی طور پر قبضہ کرلیں ظاہر ہے کہ یہ چیز منشائے ایزدی کے خلاف تھی۔اسی لئے حضور سرورِ کائنات صلعم نے جب ریگزار عرب میں حکومت الٰہیہ قائم کی تھی تو صاف اعلان فرمایا تھا

" لوگو زمین اللہ کی ہے۔ اسے کاہے کو بانٹتے پھرتے ہو جتنی زمین میں ہل چلا سکتے ہو اتنی ہی اپنے پاس رکھو (مسند کبیر۔ بحوالہ الفرجون القدیم)

میں اس وقت ان تمام روایات کو بیان کر کے اپنی تقریر کو طویل نہیں کرنا چاہتا جو حرمتِ ملکیت اور حرمتِ مزارعت کے سلسلہ میں ناطق ہیں۔ان کا استقصاد میں اپنی کتاب " الارض للہ " میں کر چکا ہوں، جو عنقریب اشاعت پذیر ہوگی۔

---

[1] واقعہ آدم کی صحیح تعبیر کے لئے علامہ موصوف کی کتاب "تفسیر سورہ بقرہ" دیکھئے (ح۔ش)

اور ہاں حکومت الٰہیہ کوئی قطعۂ زمین جس شخص کی تحویل میں دیگی وہ اس کی ملکیت شمار نہیں ہوگا بلکہ جب بھی چاہے اس سے واپس لے سکتی ہے۔ اسی اصول کے تحت حضرت عمرؓ نے اہل مدینہ کی جدی چراگاہ بحق خلافت ضبط فرمالی تھی (بخاری ابوداؤد۔ نسائی۔ موطا امام مالک) اس واقعہ کو نقل کرکے امام ابن حجر عسقلانی اپنی سند سے اضافہ کرتے ہیں۔

> "چراگاہ کے مالکوں میں سے ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا "جس چراگاہ کے لئے ہم جاہلیت میں سینہ سپر رہے اور اسلام میں بھی اُس کے تحفظ کے لئے جان کی بازی لگائے رہے آپ اس کی ضبطی کے احکام صادر فرما رہے ہیں"؟ فاروقِ اعظم غصہ سے اپنی مونچھوں پہ تاؤ دیتے رہے جب وہ شخص زیادہ مصر ہوا تو آپؓ نے فرمایا "ارے میاں! مال بھی خدا کا ہے اور بندے بھی خدا کے ہیں میں چراگاہ واپس نہیں کرسکتا" (فتح الباری ج ۳ ص ۱۲۵)

اب آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ قرآنی حکومت میں آپ کو ملکیت کے اختیارات حاصل ہوں گے یا آپ ان سے محروم ہوں گے۔ برادران محترم! ان تصریحات سے واضح ہے کہ قرآن انسانی معاشرہ کو ایک کنبہ کی حیثیت دیتا ہے۔ پس جس طرح ایک کنبہ کے افراد میں ملکیت کا سوال نہیں اٹھتا اسی طرح قرآنی معاشرہ میں بھی "میرا، تیرا" کے امتیازات نہیں ہوں گے تمام چیزیں اجتماعی ملکیت ہوں گی آپ کی تمام ضروریات کا بوجھ حکومت الٰہیہ کے کندھوں پر ہوگا۔ اس طرح آپ فکرِ فردا سے بے نیاز ہو جائیں گے اور جب آپ فکر فردا سے بے نیاز ہوں گے تو ظاہر ہے کہ آپ کو جائیدادوں کی طویل فہرستیں چھوڑ مرنے کی ہوس بھی نہیں ہوگی۔

آخر میں، میں قرآنی معاشرہ کا ایک، وہ اصول بیان کرکے اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔ اسلامی نظام کا سب سے بڑا اصول ربوبیت وہ ہے جسے حضور صلعم نے بالتصریح بیان کر دیا تھا کہ

> "لوگو تمام دولت اللہ کی ہے اور میں اس کا قاسم ہوں تم تمام اللہ کے بندے ہو اور تمہارے اعمال کا نگران و محاسب بھی خدائے قدوس ہے اُسی کے احکام مدِنظر رکھو اُسے سمیع و بصیر سمجھو اور کام کرتے رہو مقدور بھر محنت کرو اور میں اتنا دوں گا جتنی تمہاری ضرورت ہوگی" (بیہقی۔ مسند کبیر۔ الاوسط۔ مستدرک۔ الوسیط۔ القرآن القدیم)

دوسرے لفظوں میں قرآن کا اصولِ ربوبیت یہ ہے کہ "کام صلاحیت کے مطابق دام ضرورت کے مطابق" جی ہاں یہ لینن کا مقولہ نہیں اللہ کے پاک پیغمبر کا ارشاد ہے۔ اسی لئے تو لیوس مارگن کو کہنا پڑا تھا۔

> "کام اہلیت کے مطابق دام ضرورت کے مطابق۔ یہ اصول مارکس اور لینن کے ایجاد کردہ نہیں۔ اصل میں یہ بات پیغمبر اسلام نے کہی تھی۔ انکا یہ قول مجھے الوسیط میں لکھا ہوا

طلا ہے کہ "لوگو تمام دولت اللہ کی ہے اور میں اس کا قاسم ہوں تم تمام اللہ کے بندے ہو اور تمہارے اعمال کا نگران و محاسب بھی وہی ہے اُسی کے احکام کو مدِ نظر رکھو اُسے سمیع و بصیر سمجھو اور کام کرتے رہو نکمے اور نکھٹو نہ بنو۔ مقدور بھر محنت کرو اور میں تمہیں اتنا دوں گا جتنی تمہاری ضرورت ہوگی" سوچیئے کہ کتنا بڑا منتظم اور ماہرِ سیاسیات تھا وہ شخص جس نے نوعِ انسانی کی نجات کا یہ اصول وضع کیا۔ مارکس اور لینن نے بھی یہی کچھ کہا تھا مگر اُن سے خدا کا تصور چھین لینے کی جو غلطی سرزد ہوئی اُسی نے سوشلزم کو سرمایہ داری کا حصہ بنا دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ مارکس اور لینن کے دعوے چار دن میں ختم ہو گئے مگر پیغمبرِ صحرا کا قائم کردہ نظام میگزار عرب میں دونوں مثالی معاشرہ کی تابانیوں میں جلوہ گر رہا "

Havee And Have Nots -Lewis Morgan P.41

حرفِ آخر حضرات! میں نے مختصر الفاظ میں اپنا نظریہ واضح کر دیا ہے۔ زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ آپ جیسے علم پایہ مفکرین کے لئے صرف یہی اشارات کافی ہیں تفصیل سے تضیع اوقات کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا۔ اب ان چیزوں کو سامنے رکھ کر غور کیجئے ہو سکتا ہے کہ قرآن کے تدبر میں مجھ سے کوئی لغزش سرزد ہوئی ہو وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِی اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ ۔۔۔ وَمَا تَوْفِیْقِی اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم ۔ رَبِّ اھْدِ قَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَدْرُوْن ○

(علامہ صاحب کے بعد مختلف حضرات نے اپنے اعتراضات پیش کئے جو دورانِ تقریر انہوں نے نوٹ کر لئے تھے۔ اعتراضات اور جوابات کی تفصیل حسب ذیل ہے)

علامہ حمید الطوسی پیشتر اس کے کہ میں آپ کے نظریہ پر کچھ اظہارِ خیال کروں میں ضروری سمجھتا ہوں کہ جو آیات آپ نے پیش کی ہیں اور ان کا جو مفہوم آپ نے بیان کیا ہے ان کے متعلق اپنے اختلاف کا اظہار کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں میرے نوٹس میں ایک آیت وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃ آتی ہے جس کا عام مفہوم کچھ اور ہے اور آپ نے کچھ اور بیان کیا ہے۔

علامہ السید احمد السیفی "ھمزہ" کا مفہوم عام طور پر چغل خور بیان کیا جاتا ہے مجھے اس سے اختلاف نہیں مگر یہ لفظ کچھ اور معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ "ھماز" اُس کتے کو کہتے ہیں جسے کچلہ دیا جائے اور قریب الموت حالت میں بار بار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر پھیر کر اپنی پیاس کا مظاہرہ کر رہا ہو اسی طرح بھوک سے سنکھیا کھا کر پانی کی تلاش میں دوڑتے ہیں انہیں بھی "ھماز" کہا جاتا ہے۔ ایک خطرناک سانپ

ہر وقت اپنی زبان اپنے ہونٹوں پر پھیرتا رہتا ہے اُسے "ھمزہ" کہتے ہیں۔ ابولہب جو سرمایہ دارانہ نظام کا مظہر تھا اُسے بھی حضور صلعم نے "ھمزہ" کہا تھا (دیکھئے تاریخ ابوالفداء اور لغت السراج المنیر) "لمز" کے معنی ہیں دھوکا دے کر مفاد حاصل کرنا۔ (دیکھئے المکوکب الدری) ویسے آپ خود سوچ لیجئے جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ کے ساتھ چغل خور اور عیب جُو کا کیا جوڑ ہے؟ ۔

ڈاکٹر احمد الطاری ان الفاظ کا صحیح مفہوم یہی ہے تفسیر کشف الاسرار میں بھی یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر حبیب محفوظ آپ نے جن آیات سے استدلال کیا ہے میں مانتا ہوں کہ آپ کا استدلال صحیح ہے اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ دور میں نوعِ انسانی کی نجات اسی نظام میں ہے جو آپ کے قول کے مطابق قرآن پیش کرتا ہے مگر یہ جو قرآن حکیم میں اکثر مقامات پر اللہ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ (اللہ جس کا رزق زیادہ کرنا چاہتا ہے اُس کا رزق زیادہ کر دیتا ہے اور جس کا رزق تنگ کرنا چاہتا ہے اُس کا رزق تنگ ہو جاتا ہے) جیسی آیات آجاتی ہیں آخر انکا کیا مفہوم ہوگا؟

علامہ السید احمد السیفی جی ہاں! بظاہر ان آیات کا یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ رزق کی فراخی اور تنگی اللہ کی طرف سے ہے اس لئے نہ ہم دولتمندوں پر پابندیاں لگا سکتے ہیں نہ ان کی دولت حکومت لے سکتی ہے مگر یہ مفہوم متعدد وجوہ سے غلط ہے ایک تو اس لئے کہ یہ مفہوم اُن تمام آیات کے خلاف ہے جو میں نے اپنے نظریہ کی تائید میں پیش کی ہیں۔ اور یہ ہو نہیں سکتا کہ اللہ کے کلام میں تضاد ہو۔ دوسرے اس لئے کہ دنیا میں دولت جن چالوں سے اکٹھی کی جاتی ہے انہیں آپ اچھی طرح جانتے ہیں پھر سوچیئے کہ ان فریب کاریوں پر منشائے خداوندی کی مہر لگا دینا کہاں کا انصاف ہے؟ تیسرے اس لئے کہ آخر اللہ یہ کیا کرتا ہے کہ غریب کا لڑکا غریب تر اور امیر کا بیٹا امیر تر ہوتا چلا جاتا ہے آخر غریب گھرانے میں پیدا ہونے والے بچے کا قصور کونسا ہے؟

ڈاکٹر حسام الاسلام بلاشبہ اس مفہوم پر اس طرح کے سینکڑوں اعتراضات وارد ہوتے ہیں مگر آخر آیت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

علامہ السید احمد السیفی "مَنْ یَّشَآءُ" کے معنی دیگر بیسیوں آیات کی طرح یہاں بھی قانونِ مشیت کے ہیں "یَضِلُّ مَنْ یَّشَاءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ" کے معنی یہ نہیں کہ اللہ جسے گمراہ کرنا چاہے اُسے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے ہدایت کا راستہ دکھانا چاہے اُسے ہدایت عطا کر دیتا ہے۔ اس کا مفہوم محض یہ ہے کہ جو شخص گمراہی کے راستہ پر چلتا ہے قانونِ مشیت کے مطابق وہ گمراہ ہو جاتا ہے اور جو ہدایت کی راہ پر چلنا چاہتا ہے۔ قانونِ مشیت کے مطابق اُسے ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ رزق کے معاملہ

میں بھی اللہ کا قانونِ مشیت یہ ہے کہ جس معاشرہ میں اسلامی قوانین نافذ ہوں وہاں معاشی ناہمواریاں راہ نہیں پاسکتیں اور جہاں غیر اللہ کے قوانین نافذ ہوں وہاں معاشی ناہمواریاں راہ پا جاتی ہیں۔ یہودیوں کے متعلق ارشاد ہے کہ اگر وہ لوگ تورات و انجیل پر عمل پیرا رہتے ہو تو رزق جیسے آسمان سے برستا اور زمین سے ابل پڑتا یعنی معاشی و اقتصادی طور پر وہ لوگ خوشحال رہتے۔ سو یہ آیت "یبسط الرزق لمن یشاء" کی تفسیر ہے۔ رہا "یقدر" (قانونِ مشیت کے مطابق کسی قوم کے معاشی نظام میں ناہمواریاں پیدا ہو جاتی ہیں) تو اس کی تفسیر یہ آیت ہے کہ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا ۝ (جس قوم نے ہمارے قانون سے اعراض کیا اُس قوم کے معاشرہ میں معاشی ناہمواریاں راہ پا جائیں گی)

ڈاکٹر نجم الاسلام بیطار بلاشبہ اس آیت کا یہی مفہوم ہے مگر وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ تو صراحت کے ساتھ یہ ثبوت بہم پہنچا رہی ہے کہ رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت اللہ کی طرف سے ہے کیا اس کی بھی کوئی اور تعبیر ہو سکتی ہے؟

علامہ یوسف محمد المہدی اسے بھی افراد کے لئے نہیں بلکہ اقوام کے لئے سمجھ جائے گا کیونکہ اس کا اگر وہ مفہوم ہے جو آپ نے سمجھا تو معاذ اللہ اس میں اور دیگر آیات میں تضاد ہوگا اور یہ قرآن کے شایانِ شان نہیں۔

ڈاکٹر محمد الہی یہ بات تو کچھ جی کو نہیں لگتی، افراد کی بجائے اقوام کیوں مراد لی جائیں؟ اس کے لئے بھی تو کوئی واضح قرینہ ہونا چاہیئے۔

ڈاکٹر احمد الطاری صاحب تفسیر کشف الاسرار نے یہاں عجیب سا مفہوم لیا ہے وہ کہتے ہیں "فی الرزق" کے معنی ہیں "فی حصولِ الرزق" (رزق کمانے کے معاملہ میں) اُس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کمانے کے معاملہ میں بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے یعنی کسی میں رزق کمانے کی زیادہ صلاحیتیں ہیں کسی میں کم۔ میرا خیال ہے اس طرح مفہوم بالکل واضح ہے۔

حسن الشرباصی السیفوی مگر صاحب تفسیر کشف الاسرار کا یہ کہہ دینا بھی کوئی ناطق دلیل نہیں آخر اُس نے یہ تاویل کیوں کی؟ کیا اس کے لئے کسی واضح قرینہ کی ضرورت نہیں؟ کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم اس سلسلہ میں بھی علامہ صاحب سے استفادہ کریں۔

حسن الشرباصی السیفوی سب سے پہلے پوری آیت سُن لیجئے۔ آیہ کریمہ یوں ہے۔
وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۔

فَضَّلَ باب تفعیل سے ہے۔ اس باب کا ایک خاصہ نسبت بماخذ بھی ہے مثلاً فَسَّقْتُ زَیْدً ا کے معنی ہیں میں نے زید کو فاسق پایا تو اُسے فسق کی طرف منسوب کیا۔ اس طرح وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ کے معنی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق کے معاملہ میں افضل پایا اس صورت میں یہ لازم نہیں کہ خدا اس بات پر راضی بھی تھا۔ یعنی مفہوم یہ ہوا کہ اللہ نے غیر اسلامی معاشرہ میں بعض کو بعض پر رزق کے معاملہ میں افضل پایا۔ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ میں نے اس باب کے ایک خاصہ نسبت بماخذ کو ترجیح کیوں دی؟ سو اس کا جواب خود اس آیت سے واضح ہے ارشاد ہوتا ہے۔ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِھِمْ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ (پس جو لوگ غلط نظام کی بدولت افضل پائے گئے وہ اپنے رزق کو اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کی طرف لوٹانے والے نہیں) اس کے بعد صراحت کے ساتھ کہہ دیا گیا کہ فَھُمْ فِیْہِ سَوَآءٌ (حالانکہ وہ اس رزق میں برابر کے حصہ دار ہیں) سوچیئے کہ اللہ تعالےٰ تو انہیں برابر کا حصہ دار ٹھہرا رہا ہے پھر اس نے فضیلت کیوں دی تھی؟ آیت کا آخری حصہ ہے اَفَبِنِعْمَۃِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ ۔ جحد کے معنی ہیں رکاوٹ بننا تو اس ٹکڑے کا مفہوم ہوگا "تو کیا وہ اللہ کی نعمت (یعنی رزق) کے معاملہ میں رکاوٹ بنتے ہیں"۔ اب پوری آیت کا مفہوم یہ ہوگا۔

> "اللہ تعالیٰ نے غیر اسلامی معاشرہ میں تم میں سے بعض کو بعض پر رزق کے معاملہ میں افضل پایا پھر جو لوگ غلط نظام کی وجہ سے افضل پائے گئے وہ اس رزق کو اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کی طرف لوٹانے والے نہیں حالانکہ وہ اس میں برابر کے حقدار ہیں تو پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمت (یعنی رزق) کے معاملہ میں رکاوٹ بنتے ہیں؟"

ڈاکٹر محمد الیہی — بلاشبہ اس آیت کا مفہوم یہی ہے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آج کتنی بڑی پٹی آنکھوں سے اتر گئی۔

علامہ حمید الطوسی — علامہ صاحب نے جو نظام پیش کیا ہے اُس میں تو کسی کے مفلس رہ جانے کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا مگر وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ (اور سوالی کو مت جھڑک) سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی نظام میں بھی سوالی موجود ہوں گے۔

حسن الشرباصی — جی نہیں آپ نے غلط سمجھا ہے سائل کے معنی گداگر نہیں اسلامی نظام میں بھی اگر بھکاری موجود رہتے تو اس نے ہمیں کاہے کی جنت عطا کی۔ میرے خیال میں یہ خطاب دراصل سربراہ مملکت اسلامیہ (خلیفہ راشد) سے ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی حاجتمند کے ساتھ سختی سے پیش نہ آ۔

ڈاکٹر حبیب محفوظ: درست ہے مگر میں علامہ صاحب سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر قرآنی نظام میں انفرادی ملکیت باقی نہیں رہ سکتی تو پھر ترکہ، اور میراث کے احکام آخر کس چیز کے لئے ہیں؟

علامہ السید السیفی: بلاشبہ یہ اعتراض بڑا غور طلب ہے۔ نہ صرف میراث کے احکام بلکہ صدقہ، خیرات اور فضول خرچی وغیرہ سے پرہیز کے احکام سے ظاہر ہوتا ہے کہ انفرادی ملکیت ہو جبھی یہ احکام نفاذ پذیر ہو سکتے ہیں۔ یہ بالکل درست ہے مگر قرآنی نظام ایسی چیز نہیں کہ ایک ہی دن میں قائم ہو جائے اس کے لئے آہستہ آہستہ اور بتدریج کوشش کرنا پڑتی ہے۔ قرآن نے تمام معاملات میں انسان کے تدریجی ارتقاء کو مد نظر رکھا ہے۔ شراب کو حرام کرنا مقصد تھا مگر پہلے یہ بتایا گیا کہ اس میں منافع کم اور نقصانات زیادہ ہیں۔ اس طرح عقل انسانی میں یہ بات جاگزیں کرنا مقصود تھی کہ یہ کوئی اچھی چیز نہیں پھر حکم دیا گیا کہ شراب پی کر نماز کے قریب نہ جاؤ اس سے شراب کی نجاست اور اس کا خلاف تقدس ثابت کرنا مقصود تھا اور پھر یہ حکم دیا گیا کہ شراب شیطانی عمل ہے۔ اس طرح ان لوگوں سے بالتدریج شراب چھڑائی گئی جن کی گھٹی میں یہ بد بلا پڑی تھی۔ ملکیت کا تصور بھی بالکل اسی قسم کا تصور ہے ہم سمجھتے یہ ہیں کہ اگر آج ہم کچھ جمع کر کے رکھیں گے تو کل ہمارے کام آئے گا اسی لئے عبوری دور کی خاطر یہ جملہ احکام دیئے گئے اور بالتدریج اس سٹیج پہ لایا گیا کہ سب کچھ اجتماعی ملکیت سمجھا جائے آخر میں قرآن نے واضح کر دیا کہ باپ کی جمع شدہ پونجی سے ''دولتمند بن جانا سراسر بہ پستی ہے وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا (کفار میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہیں) بس انسان کو وہی کچھ ملنا چاہیئے جس کے لئے وہ محنت کرے لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ٥ انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کی خاطر وہ محنت کرتا ہے۔ پس سمجھنا چاہیئے کہ یہ عبوری دور کے احکام ہیں اگر یہی اصل احکام ہوتے تو قرآن کسی جگہ دولت جمع کرنے کی ضرور تاکید کرتا۔ اس کے برخلاف وہ اس قسم کی ذہنیت کی مذمت کرتا ہے۔ حضور صلعم نے اسلامی نظام کی حقیقی شکل کو ان الفاظ میں بالصراحت بیان کر دیا نحن معشر الانبیاء لا نورث ما ترکناه صدقة (گروہ انبیاء کا ورثہ نہیں چلتا ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہو رہے) اگر وراثت کے احکام عبوری دور کے احکام نہ ہوتے تو آپ کبھی ایسا نہ فرماتے۔ بلکہ اس صورت میں آپ پہ فرض ہوتا کہ آپ ترکہ چھوڑ جائیں تاکہ آپ کے ورثاء میں تقسیم ہو اور کل کو وہ لوگ دوسروں کے محتاج نہ رہیں۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ میراث ضرور چھوڑو صرف اتنا کہا ہے کہ اگر ورثہ چھوڑا رہے تو اسے اس طرح تقسیم کیا جائے تاکہ ابتدائی دور میں بھی دولت کا بہاؤ جاری رہے كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ (تاکہ دولت صرف اغنیاء کے مراکز میں گردش نہ کرتی رہے) پس صدقہ اور ورثہ وغیرہ کے احکام ابتدائی دور کے احکام ہیں اور ان سے بھی مراد یہ ہے کہ دولت کی گردش رک نہ جائے۔ اگر آپ انہیں ابتدائی دور کے احکام نہ سمجھیں تو آخر اس آیت کا کیا مفہوم ہوگا۔ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ

قُلِ الْعَفْوَ (وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی راہ میں کس قدر خرچ کریں انہیں کہہ دیجئے کہ جو کچھ اپنی ضروریات سے بچ رہے) جب ضرورت سے بچی ہوئی چیز اللہ کی راہ میں خرچ کر دینی ہے تو پھر ترکے کون چھوڑیگا۔

ڈاکٹر نجم الاسلام تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ تمام احکام اب معاشرہ میں ہماری کوئی رہنمائی نہیں کر سکتے اور معاذ اللہ قرآن کا بہت بڑا حصہ محض بیکار ہے۔

علامہ السید احمد السیفی موقت احکام کو آپ بے کار کیونکر کہہ سکتے ہیں اس طرح تو اور بھی سینکڑوں احکام آپ بے کار قرار دے سکتے ہیں مثلاً قرآن میں چوری اور زنا کی سزا بیان کی گئی ہے اگر قرآنی معاشرہ میں ان جرائم کا مرتکب کوئی نہ ہو تو کیا آپ یہ سمجھیں گے کہ یہ احکام محض بیکار تھے۔ نہیں آپ کہیں گے یہ احکام موقت ہیں۔

(اس چیز کو سب حضرات نے متفقہ طور پر تسلیم کر لیا پھر ڈاکٹر حسام الاسلام نے ایک اور اعتراض اٹھایا)

ڈاکٹر حسام الاسلام اگر صورت حال یہی ہے تو پھر اسلام اور کمیونزم میں فرق کیا رہا؟ کیا آپ کوئی حد فاصل کھینچ سکتے ہیں۔

علامہ السید احمد السیفی اس نظریہ کی معمولی سے ہم آہنگی کے باوجود کمیونزم اور اسلام دو الگ چیزیں ہیں۔ کمیونزم کا نظریۂ حیات اور ہے اور یہی وہ نظریہ ہے جس نے روس کی تجربہ گاہ اشتراکیت کو ناکام کر دیا۔ کمیونزم کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ اس نے انسان کی ناک سے خدا کے سامنے جوابدہی کے احساس کی نکیل نکال کر اسے شتر بے مہار کر دیا۔ اس نے انسان کا امام عقل کو بنایا جو ہمیشہ سے مفادِ خویش کی خوگر ہے ایک کمیونسٹ کبھی اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا کہ انسان کو انسان کی مدد کیوں کرنی چاہیئے؟ کیا کسی سرمایہ دار کی عقل یہ فیصلہ کرے گی کہ میں اپنی عیش و عشرت سے بھرپور زندگی تج کر مزدوروں کے ساتھ کانٹوں پر سوؤں۔ اس کی عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے دولت کے انبار جمع کئے چلے جاؤ خود بھی عیش کرو اور اپنی اولاد کے لئے بھی سونے کے محلات چھوڑ جاؤ۔ اس کے برعکس ایک مسلمان یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ عقل امام نہیں انسان کا امام و رہنما قرآن حکیم ہے اس کے احکام پر انسان عمل کریگا تو دینوی و اخروی کامرانی پائیگا اور اس پر عمل نہیں کرے گا تو اسکی ذات کا ارتقاء رک جائیگا ان نظریات میں بین فرق ہے اتنا فرق کہ کوئی مسلمان اپنے آپ کو کمیونسٹ نہیں کہہ سکتا اور کوئی کمیونسٹ مسلمان نہیں رہ سکتا۔ دونوں بالکل الگ نظامہائے زندگی ہیں۔ کمیونزم نظری حد تک صرف روٹی کا مسئلہ حل کرتا ہے لیکن اسلام معاشی زندگی سدھار کر انسان کی تمام مخفی صلاحیتوں کو کامل نشوونما کا سامان مہیا کرتا ہے۔ کمیونزم کسی مضبوط بنیاد پر قائم نہیں لیکن اسلام کی بنیادیں بہت مستحکم ہیں کمیونزم کے پاس اس کا بھی کوئی

جواب نہیں کہ جب تمام افراد معاشرہ کی ضروریات کی کفیل حکومت ہوگی تو وہ کونسا جذبہ محرکہ ہوگا جو انہیں کام کرنے پر آمادہ کریگا۔ قرآن اس سوال کا یہ جواب دیتا ہے کہ

وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ — باقی وہی رہیگا جو نسل انسانی کے لئے نفع بخش ہو اس طرح اسلامی نظام میں جذبۂ محرکہ اپنی بقاء کا خیال ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی کہ اگر انسان ذرا سی کوتاہی کی تو اسے دیکھنے والا خدا موجود ہے جو اس کے اعمال کا محاسب ہے۔ اور وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ہری بھری کھیتیوں کو راتوں رات قبلس دے اور انسان ہاتھ ملتا رہ جائے۔ پھل پک کر تیار ہو چکے ہیں صبح کاٹنے کے لئے جانا ہے مگر اسی رات ہی ان کا سارا کیا کرایا غارت اور ان کی ساری محنت اکارت ہو سکتی ہے۔ کتاب اللہ میں ایک واقعہ کے پردہ میں اسی حقیقت کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔

اِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا اَصْحَابَ الْجَنَّةِ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُوْنَ ۝ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَارِمِيْنَ ۝ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۝ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قَادِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْا اِنَّا لَضَالُّوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحَانَ رَبِّنَا اِنَّا كُنَّا ظَالِمِيْنَ ۝ عَسٰى رَبُّنَا اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا رَاغِبُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

ہم نے انہیں اسی طرح آزمائش میں ڈال رکھا ہے جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا جب انہوں نے قسم کھائی کہ صبح سویرے ہی چل کر پھل توڑ لیں گے ان کا ارادہ تھا کہ ان پھلوں میں سے غریبوں اور محتاجوں کے لئے کچھ بھی الگ نہ کریں گے لیکن ابھی وہ محو خواب ہی تھے کہ باغ پر تیرے رب کی طرف سے آفت آئی اور وہ کٹے ہوئے کھیت کی مانند رہ گیا۔ ادھر ان لوگوں نے تڑکے ہی آواز دی کہ پھل توڑنے ہوں تو چلو۔ چنانچہ یہ لوگ سرگوشی کرتے ہوئے چل پڑے اور خوف یہ تھا کہ سویرے جائیں کہیں کوئی مسکین نہ آجائے ایسے چلے گویا غریبوں کو کچھ نہ دینے پر پوری طرح قادر ہیں جب یہ کھیت پر پہنچے اس کا حال دیکھا تو سر پیٹ کر بولے ارے کیا ہم رستہ بھول کر کسی اور طرف کو نکل آئے، نہیں نہیں ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی اس پر ان میں کا ایک منصف مزاج شخص آگے بڑھا اور بولا میں نے کہا تھا کہ اس ذہنیت کا انجام اچھا نہیں ہوتا اب

سے اللہ کی طرف لوٹ آؤ اور اس کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کرو۔ وہ بولے خدا یا پاک تیری ذات ہی پاک ہے ہم تو اپنے اوپر ظلم کرتے رہے۔ پھر وہ اس غلط طرز فکر کا ذمہ دار دوسرے کو ٹھہرانے لگے اور ملامت کرنے لگے۔ بالآخر انہوں نے کہا ہم سبھی کا برا ہو کہ سبھی حد سے بڑھ چلے تھے۔ اب تو توبہ کرنی چاہیئے کہ اللہ ہمیں اس کا اچھا بدلہ دے۔ ہم سب اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ دنیا میں بھی اس طرح اللہ کا عذاب آجاتا ہے اور آخرت کا عذاب تو اور زیادہ ہولناک ہوگا کاش یہ لوگ اس بات کو سمجھ کر صحیح روش اختیار کر لیتے۔

ڈاکٹر حسام الاسلام | فی الواقع کمیونزم کمیونزم ہے اور اسلام اسلام۔

علامہ یوسف محمد المہدی | ان آیات میں دَلَا یَسْتَثْنُوْنَ کا مفہوم تمام مفسرین یہ لیتے ہیں کہ انہوں نے انشاء اللہ نہ کہا " علامہ صاحب نے سب سے الگ یہ مفہوم لیا ہے کہ " ان کا ارادہ تھا کہ ان پھلوں میں سے غریبوں اور مسکینوں کے لئے کچھ الگ نہ کریں گے " میرے خیال میں اگرچہ صحیح مفہوم یہی ہے لیکن اس سے پیشتر یہ مفہوم کسی نے بھی نہیں لیا۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے۔

حسن الشرباصی السیفوی | اس کی وجہ وہی اندھی تقلید ہے۔ ویسے استاذ سید قطب نے بھی اپنی تصنیف التصویر الفنی فی القرآن میں یہی مفہوم لیا ہے۔

ڈاکٹر فیاض الخالد فہمی | آپ نے جو نظام پیش کیا ہے اس میں انفرادی ملکیت کی کوئی گنجائش نہیں مگر صحابہ کرامؓ کے پاس بڑی دولت تھی۔ اسکی تفصیل مسعودی نے لکھی ہے۔ لکھا ہے

> " حضرت عثمانؓ کی شہادت ہوئی تو ان کے پاس ان کا ڈیڑھ لاکھ دینار اور دس لاکھ درہم نقد جمع تھا۔ وادی القریٰ میں اور حنین وغیرہ میں انکی جائدادوں کی قیمت ایک لاکھ دینار تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے بکثرت گھوڑے اور اونٹ چھوڑے تھے زبیرؓ کی وفات کے وقت ان کی چھوڑی ہوئی صرف ایک جائداد کی مالیت پچاس ہزار دینار تھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے ہزار گھوڑے اور ہزار لونڈیاں چھوڑی تھیں۔ طلحہؓ کو عراق سے ایک ہزار دینار کی یومیہ آمدنی تھی۔ اور سراۃ کی طرف سے اس سے بھی زیادہ رقم آتی تھی۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے پاس ایک ہزار گھوڑے، ایک ہزار اونٹ اور دس ہزار بھیڑ بکریاں تھیں۔ ان کی وفات کے بعد ان کے ترکہ کا چوتھائی چوراسی ہزار درہم تھا۔ زیدؓ بن ثابت نے اس قدر سونا چھوڑا تھا

جسے کلہاڑیوں سے کاٹا جاتا تھا۔ باقی جو مال و جائداد انہوں نے چھوڑی وہ اس کے علاوہ تھی۔ زبیر نے بصرہ، مصر، کوفہ اور اسکندریہ میں محلات تعمیر کرائے تھے۔ اسی طرح طلحہؓ نے مدینہ میں ایک محل بنوایا جس میں چونا، پختہ اور ساگوان کی لکڑی استعمال کی گئی تھی۔ کوفہ میں بھی ان کا عالیشان محل تھا۔ سعید بن ابی وقاص نے عقیق میں ایک عالی شان مکان بنوایا۔ جس کی چھتیں بہت اونچی اور صحن بہت وسیع تھے اس کے بالائی حصہ پر برجیاں بھی تھیں۔ مقداد نے مدینہ میں ایک محل تعمیر کرایا جس کے اندر باہر دونوں طرف پچی کاری کرائی گئی تھی۔۔ یعلیٰ بن منبہ نے پچاس ہزار دینار نقد اور تین لاکھ درہم کی جائداد چھوڑی تھی۔"

(مروج الذہب للمسعودی)

مجھے اس پر یقین ہے کہ قرآن حکیم کی تفسیر تاریخ نہیں کر سکتی۔ تاہم اپنے اطمینان کے لئے یہ پوچھتا ہوں کہ اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو پھر اسلام میں سرمایہ داری کیسے گھس آئی اور اگر یہ واقعات غلط ہیں تو ان کی تغلیط کے لئے ہمارے پاس کونسا بین ثبوت ہے؟

ڈاکٹر محمد الہی اگرچہ اس بحث کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں تھی تاہم چونکہ یہ سوال چھڑ گیا ہے اس لئے میں اس سوال کا جواب دیتا ہوں۔ تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اسلام میں سرمایہ داری سب سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں گئی۔ تفصیل یہ ہے کہ اموال کی تقسیم کے سلسلہ میں عہد صدیقی میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمرؓ کے درمیان اختلاف ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر کا خیال تھا کہ تقسیم اموال میں سب کو مساوی قرار دیا جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ اور صحابہ کی ایک جماعت کا اصرار تھا کہ جن لوگوں نے اسلام کے سلسلہ میں پیش قدمی کی ہو انہیں مقدم رکھا جائے اس پر حضرت ابوبکرؓ صدیق نے فرمایا

"تم نے جس اولیت اور افضلیت کا ذکر کیا ہے اس سے میں بخوبی واقف ہوں مگر یہ ایک ایسا عمل ہے جس کا انعام اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ معاش کے معاملہ میں مساوات برتنا ترجیحی سلوک سے بہتر ہے"

وہ اپنی اس رائے پر قائم رہے اور مساوات کا اصول کارفرما رہا اور خوشحالی تمام مسلمانوں کو یکساں فیض یاب کرتی رہی۔ یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ کا دور آیا وہ اپنی سابقہ رائے پر قائم تھے۔ یعنی یہ کہ "جن لوگوں نے رسول خدا صلعم کے خلاف جنگ کی ہے انہیں میں ان لوگوں کے مساوی حصہ نہیں دوں گا جو آپ کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں" چنانچہ ایک دن بحرین سے آپ کے گورنر حضرت ابوہریرہؓ بہت سا مال لے کر آئے۔ ان کی روایت ہے

کہ "میں بحرین سے پانچ لاکھ درہم لایا۔ میں شام کے وقت امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا "امیرالمومنین یہ مال لیجئے" آپ نے پوچھا کتنا مال ہے میں نے کہا "پانچ لاکھ درہم" انہوں نے کہا "جانتے بھی ہو پانچ لاکھ کتنا ہوتا ہے' میں نے کہا ہاں سو ہزار، سو ہزار ...... پانچ مرتبہ یہی کہا مگر آپ نے کہا معلوم ہوتا ہے تم غنودگی کے عالم میں ہو اب چلے جاؤ رات آرام کرو صبح آنا۔ صبح کے وقت پھر حاضر ہوا اور کہا مال لے لیجئے آپ نے کہا کتنا ہے میں نے کہا پانچ لاکھ درہم۔ آپ نے پوچھا کیا یہ پاکیزہ طریقہ سے وصول ہوا ہے میں نے کہا مجھے تو یہی معلوم ہے۔ پھر آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "لوگو ہمارے پاس بہت سا مال آگیا ہے اگر تم چاہتے ہو کہ پیمانوں سے ناپ ناپ کر تمہیں دیں تو ایسا ہو سکتا ہے شمار کرکے لینا چاہو تو شمار کرکے دیں وزن کرکے لینا پسند کرو تو وزن کرکے دیں۔ اس پر ایک شخص نے اٹھ کر کہا امیرالمومنین باقاعدہ رجسٹر بنا لیجئے اس کے اندراج کے مطابق انہیں دیا جایا کرے آپ کو یہ تجویز پسند آئی آپ نے مہاجرین کے لئے فی کس پانچ ہزار، انصار کے لئے فی کس تین ہزار اور ازواج مطہرات کے لئے فی کس بارہ ہزار مقرر فرمایا۔

میں نے یہ روایت اس لئے بیان کی ہے کہ یہ بعض کو بعض پر فضیلت دینے کی اُس رائے کی وضاحت کرتی ہے جو حضرت عمرؓ رکھتے تھے نیز یہ اس وقت کے معیار فراوانیٔ دولت کا پتہ دیتی ہے جبکہ نصف ملین رقم کو ایسا خواب سمجھا جاتا تھا جسے صرف سونے والے ہی بیان کر سکتے تھے۔ آگے چل کر بڑی بڑی فتوحات کے بعد صورت حال منقلب ہو گئی۔

امام ابو یوسف نے اسماعیل بن محمد السائب، زید اور ان کے والد کے واسطوں سے ایک روایت بیان کی ہے جو حضرت عمرؓ کی اسی رائے کی وضاحت کرتی ہے وہ کہتے ہیں۔

> "میں نے فاروقِ اعظمؓ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "اُس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ کوئی ایسا فرد نہیں جس کا اس مال میں حق نہ ہو چاہے وہ عملاً اُسے ملے یا نہ ملے۔ اس سلسلہ میں میری حیثیت بھی تمہارے جیسی ہے لیکن ہمارے درجات کا تعین کتاب اللہ کی روشنی میں رسول خدا صلعم کی رفاقت کے پیش نظر ہوگا۔ اسلام کی راہ میں انسان جس قدر آزمائشوں سے گزرا اور اسلام قبول کرنے میں اُس نے جس قدر سبقت کی اس کا حق مقدم ہوگا اور اس کا لحاظ کیا جائے گا۔ اسلام کی حالت میں آدمی کے عاملدار یا حاجتمند ہونے کا بھی لحاظ رکھا جائے گا۔ واللہ اگر میں زندہ رہا تو صنعاء کی پہاڑی پر بیٹھے چرانے والے چرواہے کو بھی اس مال میں سے اس کا حصہ وہیں پہنچ جائے گا۔

قبل اس کے کہ اس مال کے حصول کے لئے تگ و دو کرنے سے اس کا چہرہ تمتما اٹھے۔ (کتاب الخراج)

ڈاکٹر ہیکل نے یہ تفصیلات دی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے شرکائے بدر کا وظیفہ پانچ ہزار درہم ہجرت حبشہ کرنے والوں اور اس قسم کے دوسرے مسلمانوں اور شرکائے احد کے لئے چار ہزار درہم اور اہل بدر کے لڑکوں کے لئے فی کس دو ہزار مقرر کئے البتہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو قرابتِ رسولؐ کے باعث حضرت علیؓ کے بقدر وظیفہ دیا۔ جن لوگوں نے فتح مکہ سے قبل ہجرت کی تھی ان کے لئے آپ نے تین ہزار درہم مقرر کئے فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والوں کا حصہ دو ہزار درہم مقرر کیا۔ تمام لوگوں کے لئے عطایا کی تعیین میں آپ نے ان کے رتبہ، علم قرآن اور جہاد کو معیار بنایا۔

یہ پہلا دن تھا جب اسلام کے حصار میں سرمایہ داری آہستہ سے گھسی تھی لیکن اپنی زندگی کے آخری ایام میں حضرت عمرؓ نے اس پالیسی کی کمزوری کو محسوس کر لیا اور فرمایا۔ "اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو عطایا میں سب کے حصے مساوی ہوں گے اور اغنیاء سے زائد از ضرورت مال لے کر فقراء میں تقسیم کر دوں گا مگر وقت گزر گیا آپ شہید ہو گئے اور اسلامی سماج کا فطری توازن درہم برہم ہو گیا ان کے بعد حضرت عثمانؓ برسر اقتدار آئے تو انہوں نے اور زیادہ نرم پالیسی اختیار کی فاضل مال کو مالداروں کے پاس رہنے دیا عطایا میں تفاوت کو بھی برقرار رکھا بلکہ آپ نے عطایا کے سلسلہ میں بڑی فراخدلی کا ثبوت دیا۔ اس طرح مالدار اور زیادہ مالدار ہو گئے اور غریب غریب تر ہونے لگے قریش ہر طرف تجارت کرنے اور خوب رقم کمانے لگے۔ اس وقت اسلام کی روح حریت نے ابوذر غفاریؓ کے پیکر میں اپنی بیدار ضمیری کا مظاہرہ کیا۔ یہ وہی جلیل القدر صحابی ہیں جن پر مصر کے دارالافتاء نے شاہ فاروق کے عہد میں برسر غلط ہونے کا فتویٰ صادر کیا تھا۔ حضرت ابوذرؓ نے سرمایہ داروں کو چیلنج کیا آپؓ نے خود حضرت عثمانؓ کے اس رویہ کو قابل اعتراض قرار دیا کہ وہ بیت المال سے ہزاروں لاکھوں کی رقمیں انعام دیا کریں۔ انہیں معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے مروان بن حکم کو افریقہ کے خراج کا پانچواں حصہ حارث بن حکم کو دو لاکھ درہم اور زید بن ثابت کو ایک لاکھ درہم عطا کئے ہیں وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔

"لوگو! اب ایسے کام کئے جانے لگے ہیں جو میری سمجھ سے بالاتر ہیں خدا کی قسم نہ تو اللہ کی کتاب میں ان کی کوئی سند ہے نہ اس کے نبی کی سنت میں، واللہ میری بدنصیب آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ حق پامال کیا جا رہا ہے۔ باطل کو دوبارہ زندہ کیا جا رہا ہے۔ حق پرستوں کو جھٹلایا جا رہا ہے اور غیر متقی لوگوں کو ترجیح دی جا رہی ہے۔ اے دولت مندو! غریبوں کی طرف

دیکھو۔ اور اے سونا چاندی جمع کرنے والو! یاد رکھو کہ اسی مال سے تمہاری پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ اے مال جمع کرنے والے جان لے کہ مال میں تین شریک ہیں۔ اول تقدیر ہے جو تجھ سے اجازت لئے بغیر تباہی یا موت کے ذریعہ تیرا مال لے جائے گی۔ دوسرے وارث ہے جو منتظر ہے کہ تیری آنکھیں بند ہوں اور وہ مال پر قبضہ کرے تیسرا تو خود ہے اگر تو چاہتا ہو کہ ان میں سے کا کمزور شریک بن کر نہ رہے تو ضرور اس کا اہتمام کر اور لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ پر عمل پیرا ہو لوگو! تم اب ریشمی پردے اور دیباج کے گاؤ تکیے استعمال کرنے لگے ہو اور اب تمہیں آذربیجان کے بنے ہوئے عمدہ نمدے پر سونے میں بھی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ جبکہ سرورِ کائنات صلعم چٹائی پر سویا کرتے تھے تمہارے ہاں اب متنوع کھانوں کے دور چلتے ہیں جبکہ حضورؐ کو جو کی روٹی بھی اتنی میسر نہ تھی کہ شکم سیر ہو کر کھاتے" (ابوذر۔ عثمان عرجون)

امام بن حنبل لکھتے ہیں۔

" مالک بن عبداللہ الزیادی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری نے حضرت عثمانؓ کے حضور اذنِ باریابی چاہا انہوں نے انہیں بلایا اس وقت ان کے ہاتھ میں ڈنڈا بھی تھا۔ جب یہ جا کر مجلس میں بیٹھے تو حضرت عثمان نے کعبؓ کو مخاطب کر کے فرمایا "کعب! عبدالرحمٰن کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے کافی مال چھوڑا ہے ان کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ کعب نے کہا " اگر وہ اس میں سے اللہ کا حق ادا کرتے رہے ہیں تو ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا " یہ سنکر حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنا ڈنڈا اٹھا کر کعب کو رسید کیا اور کہا " میں نے رسولِ خدا صلعم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ " اگر میرے پاس پہاڑ کے برابر سونا ہوتا جسے میں راہِ خدا میں خرچ کرتا اور اللہ سے قبول فرماتا رہتا تو میں اپنے پیچھے چھٹے اوقیہ بھی چھوڑنا پسند نہ کرتا " یہ حدیث سنا کر انہوں نے حضرت عثمانؓ کو تین مرتبہ قسم دلا کر پوچھا " کیا تم نے یہ حدیث حضورؐ سے سُنی تھی " انہوں نے بھی اقرار

کیا" (مسند احمد ج اول حدیث ۵۳۲)

یہ گہری اور مخلصانہ پکار جو ابوذرؓ کے دل سے بلند ہوئی تھی اگر امیرالمومنین عثمانؓ اسے مان لیتے تو حالات کچھ اور ہوتے مگر افسوس کہ انہوں نے اسے نہ مانا۔ اب ایک طرف دولت کا تمرکز تھا اور دوسری طرف فقر و فاقہ اور خستہ حالی تھی۔ اس طرح قدرتی طور پر غیظ و غضب اور انتقامی جذبات پیدا ہونے لگے یہ سارا زہریلا مواد جمع ہوتا اور پکتا رہا تا آنکہ اس نے ایک ہیجان انگیز ہلاکت کو جنم دیا جس سے دشمنانِ اسلام نے پورا فائدہ اٹھایا۔ حضرت ابوذرؓ کو مقام ربذہ میں نظر بند کر دیا گیا جہاں ان کا انتقال ہو گیا اور عثمانؓ کی جان بھی اعدائے اسلام کی نذر ہو گئی مگر سرمایہ داری اور غربت کی کشمکش کا یہ فتنہ پھر بھی نہ تھما۔ اسکی آگ اُس وقت تک نہ دبی جب تک اس نے خود روحِ اسلام کو اپنے مہیب دھوئیں سے ڈھک نہ لیا اور امتِ مسلمہ کو جبر کے غاروں میں دھکیل دیا۔

حضرت علیؓ جب سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے پہلے ہی خطبہ میں سرمایہ داری کے عفریت کا گلا دبانے کی کوشش کی اور صاف الفاظ میں کہہ دیا۔

> " لوگو! اچھی طرح سُن لو! کہ صحابہؓ میں سے مہاجر ہو یا انصاری، جس شخص کا بھی یہ خیال ہو کہ صحبتِ رسولؐ کی بنا پر اسے دوسروں پر فضیلت حاصل ہے اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ فضیلت کل اللہ کے یہاں کام آسکے گی۔ اور اس کا اجر وہی دے گا ویسے تم سب اللہ کے بندے ہو اور مال بھی اللہ کا ہے اسے تمہارے درمیان مساوی تقسیم کیا جائے گا اس کے معاملہ میں کسی کو کسی پر افضل نہیں سمجھا جائے گا۔ ہاں متقی لوگوں کے لئے قیامت میں اللہ نے بہترین انعام تیار کر رکھا ہے" (العدالۃ الاجتماعیہ فی الاسلام)

اسی خطبہ میں آپ کے یہ ارشادات بھی ہیں۔

> " لوگو! میں تم ہی میں کا ایک آدمی ہوں تمہاری طرح میرے بھی کچھ حقوق ہیں اور مجھ پر بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ میں تمہیں حضورؐ کے طریقہ پر چلاؤں گا اللہ کے احکام کا نفاذ کروں گا سُن لو کہ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو جتنی بھی جاگیریں عطا کی تھیں اور جتنا مال بھی انعام و اکرام کے طور پر دیا تھا۔ وہ مال بیت المال میں واپس لایا جائے گا۔ کیونکہ حق کو کوئی چیز نہیں بدل سکتی۔ اگر میں نے یہ دیکھا کہ اس مال سے عورتوں کے ساتھ شادیاں رچائی

جا چکی ہیں یا لونڈیاں خریدی جا چکی ہیں یا اس مال کو مختلف ممالک میں پھیلا یا جا چکا ہے تو بھی میں اسے واپس لاؤں گا۔ کیونکہ عدل میں بڑی وسعت ہے۔

لوگو! آگاہ رہو، ایسا نہ ہو کہ کل کو تم میں سے وہ لوگ جن پر دنیا کی محبت غالب آگئی اور محلات کے مالک بنے۔ جن لوگوں نے نہریں کھدوائیں اور باغات اگائے۔ گھوڑوں پر سواری کی اور غلام چھوکروں کو خدمت گار بنایا۔ انہیں جب میں اس عیش و عشرت سے محروم کروں اور انہیں ان کے اصل حقوق پر واپس لاؤں تو وہ کہنے لگیں۔ ابو طالب کے بیٹے نے ہمیں ہمارے حقوق سے محروم کر دیا" (بحوالہ عبقریۃ الاسلام، العدالۃ الاجتماعیہ)

مگر اب لوگوں کو یہ باتیں پسند نہیں آتی تھیں اس لئے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں امیر معاویہؓ (جو کسی زمانہ میں حضورؐ کے خطوط لکھا کرتے اور جنہیں لوگوں نے غلطی سے کاتب وحی مشہور کر دیا ہے) کامیاب ہو گئے انہوں نے جو کچھ کرنا تھا اسے اپنے اس خطبہ میں واضح کر دیا جو اہل مدینہ کو دیا گیا تھا اس میں انہوں نے صاف الفاظ میں اعلان کر دیا کہ

"خدا کی قسم میں نے امارت اس لئے نہیں پائی کہ تم مجھ سے محبت کرتے تھے۔ اور نہ ہی تمہیں میری امارت پر کوئی خوشی ہوئی ہے۔ میں نے تدبیر اور تلوار کے زور سے امارت حاصل کی ہے۔ تمہاری خاطر میں نے اپنی طبیعت کو ابوبکر صدیقؓ کے سانچے میں ڈھالنا چاہا مگر یہ نہ ڈھلی۔ میں نے چاہا کہ میں عمرؓ کی روش اختیار کر لوں مگر میری طبیعت نے اس سختی کے ساتھ ابا کیا پھر میں نے چاہا کہ وہ عثمانؓ کے توسعات پر راضی ہو جائے مگر وہ اس پر بھی آمادہ نہ ہوئی لہٰذا میں نے اسے ایک ایسی راہ پر ڈالا ہے جس میں میرا بھی بھلا ہے اور تمہارا بھی" (بحوالہ العدالۃ الاجتماعیہ فی الاسلام)

اس طرح اسلامی نظام میں سرمایہ داری گھس آئی اور خلافت کی گدی پر ملوکیت کے تاج ناچنے لگے۔ اور پھر تو بادشاہ کو ظل سبحانی سمجھا جانے لگا۔ منصور عباسی کے ایک خطبہ کے یہ الفاظ بڑے غور طلب ہیں وہ کہتا ہے۔

"لوگو! میں اللہ کی زمین پر اس کا سلطان ہوں اس کی تائید اور توفیق سے

تم پر حکومت کروں گا اس کے مال پر اس کی طرف سے مقرر کیا ہوا محافظ ہوں اور اس کی رضا کے مطابق اس میں تصرف کرتا ہوں اور اس کے اذن کے تحت اس میں سے انعامات دیتا ہوں اللہ نے مجھے اس خزانے کا قفل بنایا ہے اگر وہ مجھے کھولنا چاہتا ہے تو تمہیں انعامات دینے اور تمہارے درمیان رزق تقسیم کرنے کے لئے کھول دیتا ہے اور بند کرنا چاہتا ہے تو بند کر دیتا ہے "

ڈاکٹر حبیب محفوظ تو یوں کہیئے کہ اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ کا موجودہ مفہوم جو علامہ سیفی صاحب کی تقریر سے پہلے ہمارے ذہنوں میں گھوم رہا تھا دورِ ملوکیت کا پیدا کردہ ہے۔ (اس پر "یہ درست ہے۔ یہ درست ہے" کی آوازیں آئیں۔)

علامہ السید احمد السیفی حضرات! اب ہم اس مجلس کا اختتام کرتے ہیں مگر اس اختتام سے پیشتر یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ حضرات کا متفقہ فیصلہ کیا ہے۔

(ہر طرف سے "آپ کا نظریہ درست ہے" کی آوازیں آئیں تمام حضرات نے علامہ سیفی کے پیش کردہ نظریہ کی تائید کی۔ قرآنی نظام کی شوکت و عظمت کا حسین تصور لئے ہوئے یہ تابناں و درخشاں افراد بکھر گئے)

اللھم اھد قومی فانہم لا یعلمون

استدراک

اس مقالہ میں جس قدر حصہ تاریخ سے متعلق ہے ظاہر ہے کہ اسے یقینی نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے اسے احتیاط سے قبول کرنا چاہئے۔ یہ احتیاط اس وقت اور بھی زیادہ ضروری ہو جاتی ہے۔ جب معاملہ صحابہ کبارؓ سے متعلق ہو۔ اس سلسلہ میں ہم طلوع اسلام میں بڑی تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ اور وہ مباحث اب "قرآنی فیصلے" (جلد دوم) میں درج ہو گئے ہیں۔ جنہیں اس موضوع کی تفصیلات سے دلچسپی ہو وہ اسے وہاں دیکھ سکتے ہیں۔

(طلوع اسلام)

پختونستان

تحریک پاکستان کی مخالفت میں جن عناصر نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا ان میں خان عبدالغفار خاں کا نام سرِفہرست آتا ہے۔ انہوں نے شروع میں ایک تحریک جاری کی جو اپنی وردی کے رنگ کی نسبت سے (یا شاید اس سے بھی کسی وسیع نسبت کی وجہ سے) سرخ پوش کہلاتی تھی اور نام ان کا خدائی خدمت گار تھا۔ تحریک پاکستان سے پہلے یہ تحریک انگریزی استعماریت کے خلاف بتائی جاتی تھی۔ یہ تھی بہرحال کانگریس ہی کی ایک شاخ۔ خان عبدالغفار خاں صاحب اپنے آپ کو نہایت فخر سے "سرحدی گاندھی" کہلواتے تھے۔ اس تحریک کے "روحانی پیشوا" تو خان صاحب موصوف ہی تھے (کیونکہ وہ ملنگ بابا کہلاتے تھے) لیکن اس کے عملی معج و روان نوانکلی کے رہنے والے خان بخت جمال خان تھے۔ جب تحریک پاکستان شروع ہوئی تو عبدالغفار خاں نے اس کی مخالفت شروع کر دی۔ خان بخت جمال خاں نے پہلے تو کوشش کی کہ اول الذکر اس تحریک کی مخالفت نہ کریں لیکن جب وہ اپنی اس کوشش میں ناکام رہے تو وہ نہایت دیانتداری سے سرخ پوش تحریک سے نہ صرف الگ ہو گئے بلکہ مسلم لیگ میں شامل ہو کر خان برادرز کی دھڑلے سے مخالفت شروع کر دی اور جس قوت و شدت سے اس تحریک کو چلایا تھا، بلکہ اس سے بڑھ کر محنت و کاوش سے تحریک مسلم لیگ کو چلایا۔ اور سرحد میں صوبائی مسلم لیگ قائم کر دی۔ اس لیگ کے سب سے پہلے صدر خود خان بخت جمال خان تھے۔ یہ صدارت کس درجہ زندۂ جاوید تھی، اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس کے بعد آج تک "صدر صاحب" کے معنی ہی خان بخت جمال خان ہیں۔ دوسری طرف خان عبدالغفار خاں نے بھی تحریک پاکستان کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ لیکن اس کے باوجود کانگریس کو پاکستان کا مطالبہ تسلیم کرنا پڑا۔ جس وقت یہ معاملہ کانگریس ورکنگ کمیٹی میں پیش تھا، اس وقت خان عبدالغفار کے دل پر کیا گذر رہی تھی، اس کا نقشہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے (اپنی رسوائے عالم کتاب (TNDIA WINS PFEEDOM) میں ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

> جب ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں گاندھی جی نے بھی مطالبۂ پاکستان کی تائید کر دی تو اس سے مجھے چنداں حیرت نہ ہوئی کیونکہ اس کی بھنک میرے کانوں میں پہلے سے پڑ چکی تھی۔ لیکن خان عبدالغفار خاں کے ردعمل کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ان پر سکتہ کا

عالم طاری ہوگیا اور چند منٹوں تک ان کی کیفیت یہ تھی کہ وہ ایک لفظ بھی نہیں بول سکتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی مہر سکوت کو توڑا اور کانگریس ورکنگ کمیٹی سے اپیل کی کہ وہ تقسیم ہند کی تجویز کو تسلیم نہ کریں۔ انہوں نے کہا — میں نے ہمیشہ کانگریس کا ساتھ دیا ہے۔ اگر کانگریس نے اب میرا ساتھ چھوڑ دیا تو سرحد کے لوگوں پر اس کا اثر بڑا ہی خطرناک ہوگا۔ میرے دشمن مجھ پر ہنسیں گے اور دوستوں تک کہیں گے کہ جب تک کانگریس کو سرحد کی ضرورت رہی انہوں نے خدائی خدمت گاروں کی حمایت کی۔ لیکن جب اس نے مسلم لیگ سے مفاہمت کا فیصلہ کیا تو اس نے تقسیم ہند کے مطالبہ کی تائید کردی اور اس باب میں سرحد اور سرحد کے لیڈروں سے مشورہ تک کرنا بھی ضروری نہ سمجھا۔

خان عبدالغفار خان نے بار بار کہا کہ اگر کانگریس نے اب خدائی خدمت گاروں کا ساتھ چھوڑ کر انہیں بھیڑیوں کے حوالے کر دیا، تو سرحد کے لوگ اسے کانگریس کی طرف سے غداری قرار دیں گے۔ (ص ۱۹۳)

لارڈ مونٹ بیٹن نے (بقول مولانا آزاد) تقسیم کی تجویز کو مسترد کرنا مناسب نہ سمجھا البتہ اس نے ایک نئی تجویز پیش کردی کہ سرحد کے لوگوں سے استصواب کیا جائے کہ وہ ہندوستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں یا پاکستان کے ساتھ۔ خان عبدالغفار خان کے بھائی ڈاکٹر خان صاحب اس وقت صوبہ سرحد کے وزیر اعظم تھے۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے استصواب رائے کی تجویز کے متعلق ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ استصواب رائے کر لیا جائے لیکن اس میں سرحد کے لوگوں سے پوچھا یہ جائے کہ وہ

(۱) پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتے۔ یا

(۲) ہندوستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ یا

(۳) اپنی ایک جداگانہ آزاد مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں جس کا نام پختونستان ہوگا۔ (ص ۱۹۴)

قائداعظمؒ نے اس تیسری شق کی سخت مخالفت کی اور لارڈ مونٹ بیٹن کو ان کے انکار کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ اگر یہ شق باقی رہتی تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا اس کے متعلق مولانا آزاد کی رائے ملاحظہ فرمائیے۔ وہ لکھتے ہیں۔

یہ باور کرنے کے لئے معقول وجوہات موجود ہیں کہ اگر استصواب رائے میں آزاد پختونستان کی شق شامل ہوتی تو صوبہ سرحد کی اکثریت اس کے حق میں ووٹ دیتی (ص ۱۹۴)۔

ڈاکٹر خان صاحب نے یہ تجویز کیوں پیش کی تھی، اس کے متعلق بھی مولانا آزاد ہی سے سن لیجئے جو ان دونوں بھائیوں کے (اور درحقیقت ہر اس شخص کے جو پاکستان کا دشمن تھا) گہرے دوست تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

ڈاکٹر خان نے سمجھ لیا تھا کہ سرحد میں ان کی لیڈرشپ اسی صورت میں قائم رہ سکتی ہے

اگر وہ پختونستان کا مطالبہ کریں۔ (۱۹۴۷ء)

ان حالات میں سرحد میں استصواب رائے ہوا اور مسلم لیگ کی کوششوں سے (جنہیں درحقیقت خان بخت جمال خاں کی کوشش کہنا چاہیئے) اس کا فیصلہ پاکستان کے حق میں ہوگیا اور یوں پاکستان اس تباہی سے محفوظ رہا جو دوسری صورت میں اس کے سر پر مسلط ہونے والی تھی۔ یہ تاریخ کا ناقابل فراموش واقعہ ہے۔

پاکستان وجود میں آگیا لیکن اس کی مخالفت کی جو آگ خان عبدالغفار خاں کے دل میں بھڑک رہی تھی وہ کبھی نہیں بلکہ اور تیز ہوگئی اس فرق کے ساتھ کہ اس کے شعلے دور دور سے نظر آجاتے تھے۔ اب وہ مصلحتوں کے دعووں کے نیچے دب گئے۔ اب خدائی خدمت گار نیشنل عوامی پارٹی (N.A.P) کا جزو بن گئے اور خان صاحب نے پختونستان کی مختلف تاویلیں شروع کردیں۔ لیکن یہ صرف دروغ مصلحت آمیز ہی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ نہ کبھی پاکستان کے حامی تھے۔ نہ اب حامی ہیں۔ پختونستان کی تخریبی فتنہ انگیز تحریک مختلف انداز سے بھیس بدل بدل کر سامنے آرہی ہے۔ انہی لوگوں کا ایک نیا حربہ انتخاب کے سلسلہ میں متحدہ محاذ میں شمولیت اور اس طرح محترمہ مس فاطمہ جناح کی ڈھال کے پیچھے سے پاکستان پر تیر اندازی ہے۔ چنانچہ آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا۔ کہ محترمہ موصوفہ کے پشاور کے پبلک جلسہ میں (جو شروع اکتوبر میں منعقد ہوا تھا) خان عبدالغفار خان زندہ باد کے نعرے لگائے گئے اور ان کے بیٹے (خان ولی خاں) نے اس جلسے کی صدارت کی۔

تحریک پختونستان اب بھی اس طرح موجود ہے۔ البتہ اس کا ہیڈ کوارٹر نئی دہلی میں منتقل کردیا گیا ہے۔ چنانچہ وہاں یکم ستمبر ۱۹۶۴ء کو کانسٹی ٹیوشن کلب میں پختونستان کا یوم آزادی منایا گیا جس میں (مدینہ اخبار کی ۱۷ ستمبر ۱۹۶۴ء کی اشاعت میں شائع شدہ روئداد کے مطابق) مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ورکنگ پریذیڈنٹ جمیعتہ العلمائے ہند مولانا محمد ایوب۔ مولانا ارشاد علی۔ مولانا محمد اجمل خاں وغیرہ نے شمولیت کی۔ اس تقریب کی صدارتی تقریر آزاد تحریک پختونستان کے ردرح رواں خان غازی نے کی۔ ہم اس پوری تقریر کو درج ذیل کرتے ہیں تاکہ آپ کو اندازہ ہوجائے کہ یہ تحریک کس قدر خطرناک ہے۔ اور اس کے عزائم کیا ہیں۔ اس سے آپ کو یہ اندازہ بھی ہوجائے گا۔ کہ جو لوگ "خان عبدالغفار خان زندہ باد" کے نعروں کے ساتھ موجودہ انتخابی مہم میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ اور جو لوگ ان کا ساتھ دے رہے ہیں، ان کے عزائم کیا ہیں اور اگر یہ (خدا نکردہ) برسر اقتدار آگئے تو پاکستان کا حشر کیا ہوگا۔ وہ صدارتی تقریر حسب ذیل ہے۔

"پختونوں کی تحریک آزادی میں آج کے دن کو وہی اہمیت حاصل ہے جو ۲۶ جنوری کی ہندوستان کی تحریک آزادی میں ہے اور جسے آج یوم جشن جمہوریت کا نام دیا گیا ہے۔

یاد رفتگاں

امسال پختون ہندوستان کی راجدھانی نئی دہلی میں اپنا یوم آزادی ایسی حالت میں منا رہے ہیں جب کہ پختونوں کے ایک بہت بڑے دوست فخر ہندوستان پنڈت جواہر لال نہرو قید غم ہستی سے آزادی حاصل کرچکے ہیں۔ پنڈت جی نہ صرف ہندوستان کے

محبوب رہنما تھے بلکہ تمام دنیا کی آزاد اور محکوم قوموں کے بھی غائت درجہ محبوب تھے۔ اس لئے دنیا بھر کی قوموں نے اُن کا ماتم منایا ہے اور منا رہے ہیں اور چونکہ پختونستان کی سرزمین میں سامراجی ایجنٹوں کے پھیلائے سے ۱۹۴۶ء میں ان کی انگلیاں بھی زخمی ہوئی تھیں اور ان کے خون کے قطرے بھی پختونستان کی خاک میں جذب ہوئے ہیں اس لئے پختونستان کی تحریک آزادی سے ان کا گہرا تعلق ثابت ہے ۔۔۔ اسی بنا پر یہ پختون اجتماع پنڈت جواہر لال نہرو کی جدائی کو اپنا نقصان یقین کرتا ہے اور اپنے رنج و غم کا دل کی گہرائیوں کے ساتھ اظہار کرتا ہے۔ اور ہندوستانیوں نیز پنڈت جی کے پسماندگان خاص طور پر شریمتی اندرا گاندھی سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ خدا پنڈت جی کی روح کو تسکین نصیب کرے اور شریمتی اندرا گاندھی اور دوسرے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

پنڈت جواہر لال نہرو کی وفات کے علاوہ ایک اور عظیم شخصیت کی وفات پر بھی یہ اجتماع گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ یہ شخصیت ہندوستان میں افغانستان کے سابق سفیر سردار علی جنرل محمد عمر خاں کی ہے جو گذشتہ دنوں ہندوستان سے واپس جاکر افغانستان میں انتقال فرما چکے ہیں۔ یہ پختون اجتماع ان کی جدائی پر بھی گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ انھیں اپنے رحم و کرم اور خلعت بخشش سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے (حاضرین دو منٹ کے لئے احتراماً کھڑے ہوئے اور دعا کی)۔

تحریک پختونستان کا پس منظر

جس خطۂ زمین پر پختون قوم زمانۂ قبل از تاریخ سے اب تک آباد ہے وہ جسم ایشیا میں دل کی حیثیت رکھتا ہے اور اسے زمانۂ حال کی اصطلاح میں "پختونستان" کہتے ہیں۔ یہ خطہ چودہ ہزار میل کا ہے اور اس کی آبادی اسی لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ کسی زمانہ میں اس قوم کے اقتدار کے پرچم مغرب، مشرق اور جنوب و شمال میں لہرایا کرتے تھے۔ لیکن آج زمانے کی ستم ظریفی ہے کہ یہ اپنے وطن پختونستان میں ہی مغربی سامراجیوں کے مذموم سیاسی مقاصد کی شکار ہے۔ آزادی کے بین الاقوامی قانون کی رو سے اس قوم کو حق خود ارادیت ملنا چاہئے تھا جیسے کہ ایشیا اور یورپ و افریقہ کی دوسری اور بڑی قوموں کو یہ حق دے دیا گیا ہے لیکن پختون قوم کو نہ صرف اس حق سے محروم رکھا گیا ہے بلکہ اُسے سامراجی مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے ایک بالکل جدید اور خود ساختہ قوم کا ضمیمہ یا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ سلوک اس قوم سے اس لئے روا رکھا گیا ہے کہ ایشیا میں مغربی سامراجیوں کے خلاف اس نے جدوجہد آزادی میں سب ایشیائی قوموں سے زیادہ حصہ ہی نہیں لیا تھا بلکہ دوسری تمام قوموں سے زیادہ جانی و مالی اور ہر قسم کی قربانیاں پیش کر چکی تھی ۔ ۱۹۴۷ء میں جب اس قوم کی قربانیوں اور جدوجہد کے صدقے میں برصغیر سے مغربی سامراج کا بستر اگول ہوا عظیم ہندوستان کو پاکستان اور ہندوستان کے دو ناموں سے تقسیم کر دیا گیا تو پختون قوم اور ان کے وطن کو پاکستان کی جدید قومیت اور مملکت کے رکاب میں باندھ دیا گیا۔ حالانکہ پختون ایک علیحدہ قوم تھی اور ہے اور اس کا اتحاد ہندوستان سے صرف آزادی کی جدوجہد میں آزادی کے مشترکہ دشمن کے خلاف تھا، چنانچہ جب ریفرنڈم کا

ڈھونگ رچایا گیا تو پختونوں نے پاکستان اور ہندوستان کے موضوعات پر ریفرنڈم میں حصہ لینے سے صاف انکار کر دیا تھا اور مطالبہ کیا تھا کہ ہم پختون ہیں اور اس لئے ہمارے وطن میں آزاد پختونستان اور پاکستان کے موضوعات پر رائے شماری ہونی چاہیئے، لیکن پختونوں کے اس مطالبے کی موجودگی میں زبردستی مغربی سامراج گورنر اور فوجی سنگینوں کے سائے میں ریفرنڈم کا ڈھونگ رچایا گیا جس سے پختونوں کا دور کا تعلق اور واسطہ بھی نہ تھا۔

پختونستان کی جدوجہد آزادی کا آغاز

۱۹۴۷ء میں مغربی سامراج کے خاتمہ کے بعد پختونوں کی جدوجہد آزادی کا نیا دور شروع ہوا جو اب تک جاری ہے۔ یہ دور نہایت ہی خونیں اور دردناک ہے۔ اس دور میں پختون کا مقابلہ انگریز کے سابق دوستوں اور وفاداروں سے تھا جو یو۔پی۔ سی۔پی۔ بنگال و گجرات، بمبئی اور مدراس اور تمام ہندوستان سے سمٹ کر پاکستان میں آ گئے تھے اور جو خود کو انگریز کے حقیقی اور جائز وارث کہتے ہوئے نہیں شرماتے — انگریز کے خلاف جنگ آزادی میں انڈین نیشنل کانگرس کے ساتھ نہ صرف پختون ہی تھے بلکہ ایشیا اور دنیا کی دوسری حریت پسند قومیں بھی تھیں، لیکن پاکستان میں انگریز کے سابق دوستوں اور وفاداروں کے مقابلہ میں جنہیں انگریز جدید ہتھیاروں سے لیس کر کے چلا گیا تھا، پختون بالکل تنہا اور غیر مسلح رہتے تھے۔ اس لئے پختونوں سے انگریز اور سامراج دشمنی کا انتقام پوری قوت سے لینا شروع کر دیا گیا، اور ان مظالم کی بسم اللہ "باڑہ تحصیل چارسدہ ضلع پشاور" سے کی گئی، جہاں ہزاروں پختونوں کے اجتماع پر بے تحاشا اور بے دریغ فائرنگ کیا گیا۔ سینکڑوں پختون مردوں، عورتوں اور بچوں کو خاک و خون میں تڑپا کر جام شہادت پلا دیا گیا، اس کے بعد پختون رہنماؤں اور عوام سے پاکستان کے جیل خانے بھر دیئے گئے۔ قید و بند کی شدید اذیتوں سے قاضی عطاء اللہ خاں، خان امیر محمد خاں، ماسٹر عبدالکریم خاں، اُستاد عبدالمالک خاں اور بہت سی قیمتی پختون شخصیتوں کی شہادت ہوئی۔ حریت طلب پختونوں کی جائیدادوں کو ضبط اور اُن کے گھروں اور فصلوں کو نذر آتش کر دیا گیا، اور جن پختونوں تک پاکستانی فوجیں نہیں پہنچ سکتی تھیں اُن پر ہوائی جہازوں سے آتش باری کی گئی۔ ان کے رہنماؤں کو دھوکے اور فریب سے گرفتار کر کے پنجاب و سندھ میں جلاوطن کر کے نظر بند کر دیا گیا، علاقہ باجوڑ اور بلوچستان کے پختون خاص طور پر پاکستانی مظالم کے مرکز توجہ رہے۔ خان عبدالصمد خاں، اچک زئی آج تک جیل میں بند ہیں، مختصر یہ کہ الجزائری رہنماؤں اور عوام کے سوا شاید ہی کسی دوسری قوم نے اتنے مظالم سامراجیوں کے برداشت کئے ہیں۔ حیرت ہے کہ ان تمام مظالم کی موجودگی میں اقوام متحدہ اور مغرب کے مہذب اور حریت خواہ حلقے بھی خاموش ہیں اور خود پختونوں کے سابق دوست بھی آج قلب ایشیا میں مغربی سامراجیوں کے مذموم سیاسی مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے مختلف طاقتیں آپس میں دوستانہ سمجھوتوں میں مصروف نظر آ رہی ہیں لیکن پختونوں کا کسی کو خیال تک نہیں آتا۔

اقوام متحدہ اور مغربی سامراجیوں سے

اقوام متحدہ اور مغربی سامراجیوں کو معلوم ہو کہ "ہمالہ پار" "درہ خیبر" و "پامیر" کی چوٹیوں کے پیچھے خطرے کے جو سرخ بادل منڈلا رہے ہیں انہیں پختونوں کو دبا کر یا فنک کے گھاٹ اتار کر پاکستان و ہندوستان کے سرپر ڈیفنس کے ذریعے نہیں روکا جا سکتا ہے ان خطرہ کے یہ سرخ بادل اسی صورت میں چھٹ سکتے ہیں اور رک سکتے ہیں کہ پختونستان آزاد ہو اور اس کے باشندے ہر طرح سے خوش حال ہوں کیونکہ جسم ایشیا میں "پختونستان" دل کی حیثیت رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ بغیر دل کی تندرستی یعنی آزادی کے جسم بیکار ہوا کرتا ہے۔

آسیا یک پیکر آب و گل است
"ملت پختون" در آں پیکر دل است

افغانستان جو پختونستان کا ایک آزاد بھائی ہے اس کے لئے بھی پختونستان کی آزادی کا مسئلہ موت و حیات کا مسئلہ ہے۔ پختونوں نے پاک افغان دوستی کا خیر مقدم کیا ہے، لیکن اگر یہ دوستی پختونوں کی غلامی یا تباہی کی بنیاد پر ہوگی تو یہ سودا افغانستان کو مہنگا پڑے گا، یہ درست ہے کہ فخر افغان خان عبد الغفار خاں کی رہائی پاک افغان دوستی کے نتیجے ہی عمل میں آئی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ خان عبد الغفار خاں کی رہائی ہی کافی نہیں ہے۔ پاکستانی جیلوں میں خان عبد الصمد خاں اچک زئی کی طرح بے شمار حریت طلب پختون بھرے پڑے ہیں ان سب کی رہائی بھی ضروری ہے اور وہ پختون مشاہیر جو پاکستان کے مختلف شہروں میں نظر بند ہیں ان کی رہائی کے متعلق بھی سوچ اور غور و فکر ہونا چاہیئے ان نظر بندوں میں سے نواب آف دیر اور خان آف دیر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ پختونستان کی آزادی پوری پختون قوم کی موت اور زندگی کا مسئلہ ہے۔ یہ صرف ایک دو شخصیتوں کا مسئلہ نہیں، جو لوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ کسی ایک یا دو شخصیتوں کے سپرد کر دینے سے یہ مسئلہ ختم ہو جائیگا سخت غلطی پر ہیں۔ خان عبد الغفار خاں پختون قوم کی ایک بہت بڑی بین الاقوامی شخصیت ہیں اور پختون انہیں احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن یہ مسئلہ تنہا ان کی ذات کا بھی نہیں ہے۔

ہندوستان اور پختون

پختونوں نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر سرفروشانہ حصہ لیا ہے اور ہمیشہ اس کی آزادی کے گیت گائے ہیں اور اس کی آزادی کے رہنماؤں کو نظم و نثر میں عقیدت کے پھول پیش کئے ہیں لیکن آج اس خوگر حمد قوم سے اگر تھوڑا سا گلہ بھی سن لیا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا۔

آزاد ہندوستان نے دنیا کی تمام محکوم قوموں کی جدوجہد آزادی میں نہ صرف اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا ہے بلکہ عملی مدد سے بھی حصہ لیا ہے لیکن اگر خاموش ہے تو صرف پختونوں کے مسئلے میں خاموش ہے۔ کہا جاتا ہے کہ "یہ خاموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید" کے مصداق ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر ہندوستان نے پختونوں کی آزادی کے لئے آواز بلند کی تو اس سے ان کی تحریک کو نقصان پہنچے گا۔ لیکن اگر وہ دوسری قوموں کی آزادی کی حمایت کرتا ہے تو ان قوموں کو کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا تو اگر پختونستان کی حمایت کرے گا تو کیونکر اور کیسے نقصان پہنچے گا؟ افغانوں اور پختونوں نے جب ہندوستان کی جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا تو سامراجیوں نے انھیں ہندوؤں کا ایجنٹ کہہ کر بدنام کیا مگر افغانوں اور پختونوں نے اس قسم کی بدنامیوں کی کچھ پرواہ نہیں کی اور جو بات ان کے نزدیک حق تھی اس کی حمایت ہندوستان کے آزاد ہونے تک کرتے رہے ـــــ آج ہندوستان کیوں خطروں سے گھبراتا ہے، اور پختونستان کی تحریک آزادی کی حمایت کیوں نہیں کرتا ـــــ ہندوستان میں بہت سے ایسے رہنما ہیں جو اپنے وطن کے ہی ایک حصے کے خلاف پاکستان کے موقف کی حمایت کرتے ہیں، مگر اپنے سابق دوستوں اور ہندوستان کی جنگ آزادی کے سرفروش پختونوں کی آزادی کے متعلق کچھ نہیں کہتے ـــــ اسی طرح پاکستان ہندوستان کے ایک خطے میں رائے شماری اور حق خود ارادیت کا مطالبہ کر رہا ہے لیکن اگر اس کا یہ مطالبہ ڈھونگ اور چالبازی پر مبنی نہیں ہے تو اس اصول کے تحت وہ پہلے پختونستان میں رائے شماری کرانے کو تیار کیوں نہیں ہوتا ـــــ ہندوستان کے جس خطے میں پاکستان رائے شماری کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اس خطے کے ایک لیڈر جو پاک و ہند دوستی کے بھی علمبردار ہیں کا کہنا ہے کہ اس خطے میں تین فریق ہیں۔ پاکستان ہندوستان اور اس خطے کے عوام ـــــ اس لیڈر سے بجا طور پر دریافت کیا جا سکتا ہے کہ کیا وہ اس پوزیشن کو پاکستان میں پختونستان کو بھی تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ پختونستان میں ایک فریق افغانستان ہے جو پختونوں کا آزاد بھائی ہے اور دوسرا پاکستان ہے جو پختونستان میں غاصبانہ قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔ اور تیسرا فریق خود پختون عوام ہیں۔ اس ہندوستانی خطے کے لیڈر بتائیں کہ جس طرح علانیہ وہ پاکستان کے موقف کی حمایت کرتے ہیں۔ پختونوں کے موقف کے بارے میں بھی اپنے دوست پاکستان سے کچھ کہنے کو تیار ہیں اگر نہیں تو کیوں نہیں؟

آخر میں حاضرین کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ انھوں نے پختونوں کی دعوت کو قبولیت بخش کر اس محفل میں شرکت کی تکلیف گوارا کی ہے پختونوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ بغیر کسی قربانی کے کوئی پختونستان ان کو نہیں دلائے گا ان کا مستقبل صرف ان کے باہمی اتحاد سے روشن ہو سکتا ہے۔ اور پاکستان کے ارباب اقتدار کو معلوم ہو کہ پاکستان کی سلامتی کا راز بھی اسی میں ہے کہ پختونستان آزاد ہو اور پختونوں کی حقیقی اور پائدار دوستی حاصل کرنے کیلئے انکے وطن پختونستان سے اپنے سبز پرچم کو اتار کر اس پر پختون کا سرخ پرچم لہرا دے۔ (مدینہ، ۱۷ ستمبر ۱۹۶۴ء)

آپ نے اندازہ لگا لیا کہ ان لوگوں کے عزائم کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ پاکستان کے خطۂ زمین کو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھے۔

(طلوع اسلام)

مجلس اقبالؒ

مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق"

(مسلسل)

زیرِ نظر مثنوی کا یہ آخری باب ہے۔ بلکہ یوں کہئے کہ موضوع کے اعتبار سے وہ مثنوی تو سابقہ باب کے ساتھ ختم ہو گئی۔ اس آخری باب میں علامہ اقبالؒ نے بحضور رسالتمآبؐ اپنی ایک فریاد پیش کی ہے۔ یہ زمانہ وہ تھا جب حضرت علامہ بہت بیمار تھے گلا بیٹھا ہوا تھا۔ بلکہ آواز قریب قریب بند ہو چکی تھی۔ آپ علاج کی غرض سے بھوپال تشریف لے گئے۔ وہاں ۳ اپریل ۱۹۳۶ء کی رات، سید احمد خاں رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا۔ وہ فرما رہے تھے کہ اپنی علالت کے متعلق حضور رسالتمآبؐ میں عرض کرو۔ یہ باب اسی سرگذشت پر مشتمل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خواب انسان کی اپنی شدتِ آرزو کی جھلک ہوتا ہے۔ بیماری کا آپ کی طبیعت پر بڑا اثر تھا۔ حضور رسالتمآبؐ کی ذاتِ گرامی سے آپ کو جو والہانہ محبت تھی وہ ظاہر ہے۔ آپ اپنے دوست راس مسعود (مرحوم) کے مشورہ پر بھوپال تشریف لے گئے تھے۔ یوں سمجھئے کہ انہی کے مہمان تھے۔ راس مسعود سر سید احمد خاں کے پوتے تھے۔ ان تمام اثرات، تصورات اور ماحول کا مرقع تھا جو خواب بن کر آپ کو دکھائی دیا۔

فریاد تو یہ اپنی بیماری کے متعلق ہے۔ لیکن حضرت علامہؒ کو امتِ مسلمہ کے ساتھ جس قدر قلبی تعلق تھا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پہلے اس امت کے لئے دعا مانگتے ہیں اور بعد میں اپنی ذات کے لئے۔ بحضور رسالتمآبؐ عرض کرتے ہیں۔

اے تو ما بیچارگاں را ساز و برگ　　　وارہاں ایں قوم را از ترسِ مرگ

اے وہ ذاتِ گرامی کہ تو ہم بیکسوں اور بے لبسوں کے لئے ساز و سامانِ حیات ہے۔ تو اس قوم کو موت کے ڈر سے کسی طرح نجات دلا ——— کتنی بڑی بات ہے جو یہاں ان چار لفظوں میں بیان کی گئی ہے۔ قوموں کے زوال کا بنیادی سبب یہ ہے کہ وہ موت سے ڈرنے لگتی ہیں۔ جو قوم موت سے نہیں ڈرتی اسے دنیا میں کوئی نہیں مار سکتا۔ اور جو موت سے ڈرنے لگ جائے اسے کمزور سے کمزور حریف بھی دبا لیتا ہے۔ قرآن کریم نے موت کی تمنا کو دعوئے صداقت کا ثبوت قرار دیا ہے اس نے بتایا ہے کہ کس طرح ایک قوم ہزاروں کی تعداد کے باوجود اپنا گھر بار چھوڑ کر محض موت کے ڈر کی وجہ سے بھاگ کھڑی ہوئی۔

اور جب وہ اپنے نبی کی آواز پر دشمن کے مقابلہ کے لئے کھڑی ہوگئی تو اسے دوبارہ زندگی مل گئی۔ علامہ اقبالؒ نے اُمتِ مسلمہ کے لئے ایک ہی درخواست کی ہے اور وہ یہ کہ اس کے دل سے موت کا ڈر نکل جائے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر اس کا دل خوف کا نشیمن نہ رہے تو پھر دنیا کی کوئی قوم اس پر غالب نہیں آسکتی۔ کتنی جامع ہے یہ دعا!

سوختی لات و مناتِ کہنہ را　　　تازہ کردی کائناتِ کہنہ را

آپؐ نے دنیائے کہن کے تمام معبودانِ باطل کا خاتمہ کرکے، انسانیت کو ایسے جدید تصورات سے (جو اصل کے اعتبار سے قدیم ترین تھے) روشناس کرایا جنہوں نے اس کے سامنے زندگی کی نئی راہیں کھول دیں۔

درجہانِ ذکر و فکرِ انس و جاں　　　تو صلوٰتِ صبح، تو بانگِ اذاں

یہ شعر علامہ اقبالؒ کے شدتِ جذبات پر مبنی ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔

لذتِ سوز و سرور از لاالٰہ　　　در شبِ اندیشہ نور از لاالٰہ

انسان جذبات اور فکر دونوں سے مرکب ہے۔ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ انسان کے جذبات کی دنیا میں اگر سرور پیدا ہوسکتا ہے تو اس تصور اور عقیدہ سے، کہ کائنات میں خدا کے علاوہ کوئی صاحبِ اقتدار ہستی ایسی نہیں جس کے سامنے جھکا جائے۔ اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی ہوسکتی ہے۔ دوسری طرف انسانی فکر کی تاریکیوں میں بھی روشنی اسی نظریہ سے پیدا ہوسکتی ہے کہ خدا کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔ یہ تعلیم ہمیں اس قرآن سے ملی ہے جو حضور نبی اکرمؐ کی وساطت سے انسانوں تک پہنچا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ۔

نے خدا ہا ساختیم از گاو و خر　　　نے حضورِ کاہناں افگندہ سر
نے سجودے پیشِ معبودانِ پیر　　　نے طوافِ کوشکِ سلطان و میر

یہ امت ہر قسم کے شرک سے پاک رہی۔ نہ اس نے حیوانات کے سامنے اپنا سر جھکایا نہ مذہبی پیشواؤں کو اپنا خدا بنایا۔ اور دوسری طرف اس نے کسی دنیاوی فرمانروا کے آستاں پر بھی جبہ سائی نہیں کی۔ یہ دنیا کی ہر بڑی چوکھٹ سے سرفرازی و سربلندی کی شان لئے مستانہ وار آگے بڑھ گئی۔

ایں ہمہ از لطفِ بے پایانِ تست　　　فکرِ ما پروردۂ احسانِ تست

یہ سب حضور نبی اکرمؐ کی بےمثال تعلیم کی وجہ سے ہوا۔ قرآن کریم میں حضورؐ کی بعثت کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ آپ انسانوں کو ان زنجیروں سے آزاد کردیں گے جن میں وہ صدیوں سے جکڑے چلے آرہے تھے اور ان کے سر سے وہ بوجھل سلیں اتار دیں گے جن کے نیچے وہ دب رہے تھے۔ نوعِ انسان کو اس قسم کی آزادی قرآن کی تعلیم سے نصیب ہوئی ہے۔ اور یہ حضورؐ کی بعثت کا انسانیت پر احسانِ عظیم ہے۔

ذکرِ تو سرمایۂ ذوق و سرور　　　قوم را دارد بہ فقر اندر غیور

نبی اکرمؐ کی سیرت طیبہ کا تذکار جلیلہ قوم کے دل میں عجیب انبساط پیدا کرتا ہے اور اسی سے یہ قوم اپنے تفرقوں میں بھی اسقدر غیرت مند واقعہ ہوئی ہے۔ (یہ تمام خصوصیات دراصل اس امت مسلمہ کی ہیں جو حضورؐ کی تعلیم پر عمل پیرا رہی ہو ورنہ ہماری جو حالت ہے وہ تو ظاہر ہے)

اے مقام و منزلِ ہر راہرو جذب تو اندر دلِ ہر راہرو

کاروانِ انسانیت کے لئے وہی راستہ صراطِ مستقیم ہے جس پر حضورؐ نبی اکرم کے نقوشِ قدم تابندہ ستاروں کی طرح جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اس سے یہ قافلہ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر ان افراد کارواں کے دل میں حضورؐ کے نقوشِ قدم کے اتباع کا جذبہ موجزن ہے تو دنیا کا کوئی سنگ گراں ان کے راستے میں روک نہیں بن سکتا۔

اس کے بعد وہ ملت اسلامیہ کی موجودہ حالت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں

سازِ ما بے صوت گردید آنچناں زخمہ بر رگ ہائے او آید گراں

جیسا مات سے حرکت و حرارت بالکل ختم ہو چکی ہے اور یہ اس حد تک مردہ اور زندگی سے بیزار ہو چکی ہے کہ اگر کوئی انہیں اس خواب گراں سے جگانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی آواز انہیں گراں گزرتی ہے۔

در عجم گردیدہ و ہم در عرب مصطفےؐ نایاب و ارزاں بولہب

ممالک اسلامیہ میں یہاں سے وہاں تک ہر جگہ یہ منظر دکھائی دیگا کہ غیر اسلامی زندگی عام ہے صحیح اسلامی زندگی کا کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا۔

ایں مسلماں زادۂ روشن دماغ ظلمت آبادِ ضمیرش بے چراغ

مسلمانوں کی نئی نسل (کہ جس پر قوموں کے مستقبل کا انحصار ہوتا ہے) اس کی حالت یہ ہے کہ ان کی ذہنی صلاحیتیں بہت عمدہ ہیں لیکن سیرت و کردار کے اعتبار سے ان کے دل تاریکیوں کے غار ہیں جن میں روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی۔

در جوانی نرم و نازک چوں حریر آرزو در سینۂ او زود میر

ان نوجوانانِ ملت کی سہل انگاری کی یہ کیفیت ہے کہ یہ عالم شباب ہی میں نرم و نازک ریشم کے پیکر بن جاتے ہیں۔ ان کے دل میں اول تو کسی بلند مقصد کے لئے کوئی آرزو پیدا ہی نہیں ہوتی، اور اگر کبھی پیدا ہو تو بہت جلد مرجاتی ہے۔

ایں غلام ابن غلام ابنِ غلام حریت اندیشۂ او را حرام

اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ صدیوں کی غلامی سے ان کے دلوں سے آزادی کا جذبہ ہی مفقود ہو چکا ہے۔

اور دوسری یہ کہ

مکتب از وے جذبۂ دیں در ربود   از وجودش ایں قدر دانم کہ بود

انہیں تعلیم ایسی غلط ملی ہے جس سے ان کے دل سے دین کا تصور تک مٹ چکا ہے یہ آب و گل کے پیکر ہیں۔ ان کا وجود (جو انسانی خودی کا مرکب ہوتا ہے) اس کے متعلق یہ سمجھو کہ ــــ ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے۔

ایں ز خود بیگانہ ایں مستِ فرنگ   نانِ جو می خواہد از دستِ فرنگ

اس تعلیم نے اسے اپنے تصورات حیات اور نظریاتِ زندگی سے یکسر بیگانہ بنا دیا ہے اور یہ مغرب کی اندھی تقلید میں فخر محسوس کرتا ہے۔ اور بے غیرتی کا عالم ہے کہ اپنی روٹی تک کے لئے اُن اقوام کا محتاج ہے۔

نان خرید ایں فاقہ کش با جانِ پاک   داد ما را نالہ ہائے سوزناک

اس کی [illegible] یہ ہے کہ یہ ان اقوام سے روٹی حاصل کرتا ہے اور اس کی قیمت میں اپنی جان دے دیتا ہے اس کی اس حالت [illegible] سے ہمارا کلیجہ چھلنی ہو جاتا ہے۔

دانہ چیں مانند مرغانِ سرا ست   از فضائے نیلگوں نا آشنا ست

اس کی آرزوئیں نہایت پست اور اس کے مقاصد بڑے ذلیل ہیں طبیعی زندگی اور اس کا ساز و سامان اس کا منتہائے نگاہ ہے۔ یہ زندگی کے بلند مقاصد سے یکسر نا آشنا ہے۔ درحقیقت اس میں ان نوجوانوں کا بھی چنداں قصور نہیں۔

شیخ مکتب کم سواد و کم نظر   از مقامِ او نداد او را خبر

سارا قصور اس کے اساتذہ کا ہے جنہوں نے اسے کبھی بتایا ہی نہیں کہ اس کا صحیح مقام کیا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ خود یہ اساتذہ بھی وسعتِ نظر اور بلندیٔ نگاہ سے محروم ہیں۔ یہ دول ہمت، پست فطرت اور کوتاہ نگاہ معلمین کے دلوں میں بلند جذبات کو کس طرح بیدار کر سکتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ

آتشِ افرنگیاں بگداختش   یعنی ایں دوزخ دگرگوں ساختش

یہ اساتذہ خود بھی تو اسی مغربی ٹکسال میں ڈھلے ہوئے سکے ہیں۔ ان سے خیر کی توقع کس طرح کی جا سکتی ہے۔ نتیجہ اس کا یہ کہ اس امت کی یہ نئی پود، مغربی جہنم میں پگھل کر کچھ کی کچھ بن چکی ہے۔

مومن و از رمزِ مرگ آگاہ نیست   در دلش لاغالب الا اللہ نیست!

اس تعلیم و تربیت کا نتیجہ یہ ہے کہ قوم کے نوجوان اس حقیقت سے یکسر نا آشنا ہو چکے ہیں کہ حیات بے شرف کا نام موت ہے اور مرگِ با شرف، حقیقی زندگی ہے۔ موت اور حیات کے اس راز سے بیگانہ ہو جانے کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا دل ہر وقت معبودانِ باطل کے خوف کی آماجگاہ بنا رہتا ہے اور یہ تصور ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا ہے کہ راز زندگی یہ ہے کہ خدا کے سوا دنیا میں کسی کو صاحب غلبہ و اقتدار نہ سمجھا جائے۔

تا دلِ او در میانِ سینہ مُرد   می نیندیشد مگر از خواب و خورد

جب زندگی کے بلند مقاصد سامنے نہ رہیں اور اس طرح سینے میں دل' مردہ ہو جائے تو پھر مقصد حیات' کھاؤ۔ پیو اور مر جاؤ" کے سوا کچھ اور نہیں رہتا۔

بہرِ یک ناں نشترِ لا و نعم   منتِ صد کس برائے یک شکم

پھر انسان' محض روٹی کی خاطر در بدر کی خاک چھانتا ہے اور ہر ایک سے جھڑکیاں کھاتا ہے پیٹ' اسے اسقدر ذلیل و خوار کرتا ہے کہ اس کی زندگی حیوانات سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔

از فرنگی می خرد لات و منات   مومن و اندیشۂ او سو منات

یہ مغربی بتکدوں سے مختلف قسم کے بت خریدتا ہے۔ نام کے لحاظ سے یہ مومن (یا مسلمان) ہے لیکن اس کا دماغ ان بتوں کا معبد بن رہا ہے۔

قم باذنی گوے و او را زندہ کن   در دلش اللّٰہ ھو را زندہ کن

اب حضرت علامہؒ۔ حضور رسالتمآب سے درخواست کرتے ہیں کہ اس مردہ قوم کو از سرِ نو زندہ کر دیجئے۔ یعنی اس کے دل میں' خدا کے صحیح تصور کو پیدا کر دیجئے۔ اس سے اسے حیاتِ نو مل سکتی ہے۔

ما ہمہ افسونیٔ تہذیبِ غرب   کشتۂ افرنگیاں بے حرب و ضرب
تو ازاں قومے کہ جامِ او شکست   وا نما یک بندۂ اللّٰہ مست

ہم سب ساحرین افرنگ کے سحر سے مسحور ہو چکے ہیں۔ ہمیں انہوں نے' بغیر جنگ و جدل آغشتۂ خاک و خون کر دیا ہے۔ اب آپؐ اس قوم کے اندر (جس کے جام و سبو سب ٹوٹ چکے ہیں) ایک ایسا مردِ حق بیں پیدا کر دے جو اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے اور اس کے قوانین کی اطاعت کا عشق اسکے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہو۔

تا مسلماں باز بیند خویش را
از جہانے برگزیند خویش را

تاکہ یہ امت پھر اپنے آپ کو اپنی حقیقی شکل میں دیکھ لے اور دنیا میں پھر سے وہ مقام حاصل کرلے جسے یہ اس طرح کھو بیٹھی ہے۔

اس کے بعد دوسرا بند شروع ہوتا ہے جس میں علامہ اقبالؒ نے اپنی ذاتی درخواست پیش کی ہے۔ کہتے ہیں۔

شہسوارا! یک نفس درکش عناں   حرفِ من آساں نیاید بر زباں
آرزو آید کہ ناید تا بہ لب ؟   می نہ گردد شوقِ محکومِ ادب

جس درخواست کو وہ پیش کرنا چاہتے ہیں اس کے متعلق خود ہی اضطراب میں ہیں کہ معلوم نہیں وہ زبان تک آ بھی سکے یا نہیں۔ ایک طرف آرزو کی شدت ہے کہ نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لئے —— اور دوسری طرف حضورؐ کا ادب عناں گیر ہے۔

آں بگوید لب کشا اے دردمند   ایں بگوید چشم بکشا لب بہ بند

شوق کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی دردمندی کا حال زبان تک لاؤ۔ دوسری طرف ادب کا اشارہ ہے کہ زبان بند رکھو، صرف آنکھ کھولو۔

گرد تو گردد حریم کائنات   از تو خواہم یک نگاہِ التفات

پہلا مصرعہ ہمارے خیال ہیں نعتِ رسالتمآب کے لٹریچر میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ حضورؐ وہ مرکز ہیں جس کے گرد تمام کائنات گردش کرتی ہے۔ انہی سے اقبالؒ ایک نگاہِ التفات کا ملتجی ہے۔

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی   کشتی و دریا و طوفانم توئی

حضورؐ کو اپنی ہستی اور اس کے تمام جوہروں کا مرکز قرار دے کر عرض کرتے ہیں۔

آہوئے زار و زبون و ناتواں   کس بہ فتراکم نہ بست اندر جہاں

میں ایک ایسا ہرن ہوں جس کی دنیا میں کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اسی لئے کسی شکاری نے مجھے اپنا نخچیر نہیں بنایا۔

اے پناہِ من حریم کوئے تو
من بامیدے رسیدم سوئے تو

دنیا میں میرے لئے پناہ گاہ صرف آپؐ کا کوچہ ہے۔ اسی لئے میں ہر طرف سے کٹ کر اسی میں پناہ لینے کے لئے آ گیا ہوں۔

آں نوا در سینہ پروردن کجا   وز دمے صد غنچہ وا کردن کجا
نغمۂ من در گلوئے من شکست   شعلۂ از سینہ ام بیروں نجست

اب آپ نے اپنی بیماری کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جیسا کہ شروع میں لکھا جا چکا ہے اس بیماری سے آپ کی آواز بند ہو گئی تھی۔ یہ مرض تکلیف دہ ہونے کے علاوہ کسقدر اضطراب انگیز تھا اس کا اندازہ کیا جا سکتا تھا۔ جس مفکر کے دماغ میں ہر وقت نئے نئے خیالات کا ہجوم رہتا ہو۔ جس کے دلِ دردمند میں آرزوؤں اور دلوں کا جوش اٹھتا ہو، اس کی جب یہ کیفیت ہو جائے کہ نہ حلق سے آواز نکلتی ہو اور نہ ہی وہ (بینائی کی کمزوری، بلکہ قریب قریب جاتے رہنے کی وجہ سے) کچھ لکھ ہی سکتا ہو، سوچئے کہ اس گھٹن سے اس کی قلبی کیفیت کیا ہو گی! یہی وہ اضطراب ہے جس کے متعلق آپ کہتے ہیں کہ

در نفس سوزِ جگر باقی نماند　　لطفِ قرآن سحر باقی نماند

خستہ اور شکستہ آواز میں تھوڑی بہت بات تو ہو جاتی ہے لیکن جو بات کرنے میں سوز جگر کا مظاہرہ ہوتا تھا وہ باقی نہیں رہا۔ اور سب سے بڑھکر قلق اس بات کا ہے کہ علی الصبح تلاوت قرآن کریم میں جو لطف آتا تھا وہ جاتا رہا۔ (حضرت علامہ بڑے خوش الحان تھے اور قرآن کریم کی تلاوت تو بڑے ہی جذب و کیف سے کیا کرتے تھے)۔

نالۂ کو می نگنجد در ضمیر　　تا کجا در سینہ ام ماند اسیر

یک فضائے بے کراں می بایدش

وسعتِ نہ آسماں می بایدش

وہ فغانِ درد آمیز جو ضمیر کی گہرائیوں سے ابھر کر سطح پر تو آجائے لیکن اس کے بعد وہ سینے ہی میں گھٹ کر رہ جائے اور لب تک نہ آسکے، اس سے قلب حساس پر کیا قیامت گذرتی ہوگی! یہ وہ چیزیں ہیں جن کے اظہار کے لئے تو کائنات کی بسیط فضا بھی تنگ ہوتی ہے چہ جائیکہ یہ سینے ہی میں دب کر رہ جائیں۔

آہ ازاں دردے کہ در جان و تن است　　گوشۂ چشم تو دارو ئے من است

میری یہ بیماری کہ جس سے مجھے جسمانی تکلیف ہی نہیں بلکہ قلبی اذیت بھی پہنچ رہی ہے اس کا علاج حضور رسالتمآب کی نگہ کرم کے سوا کچھ نہیں۔

در فرنگ با دوا ہا جانِ زار　　تلخ و بویش بر مشامم ناگوار

کار ایں بیمار نتواں بردِ پیش　　من چو طفلاں نالم از دار وئے خویش

تلخی او را فریبم از شکر　　خندہ ہا در لب بدو زد چارہ گر

اس کے بعد حضرت علامہؒ نے اپنی ایک کمزوری کا بھی کھلے الفاظ میں اظہار کر دیا ہے۔ یہ کمزوری انہی کی نہیں بلکہ ہر اس شخص کی ہوتی ہے جس کے جذبات شدید اور حسیات نازک ہوں۔ آپ دوا سے بہت گھبراتے تھے۔ بالخصوص ایلوپیتھی دواؤں سے جن کا مزہ تلخ اور بو ناگوار ہوتی تھی۔ کہتے ہیں کہ میں دوائی کے نام سے بچوں کی طرح چلا اٹھتا ہوں۔ اب بھلا بتایئے کہ جس مریض کی حالت یہ ہو اس کے مرض میں افاقہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ ایک طرف تو مرض کی یہ کیفیت اور دوسری طرف طبیب کی یہ حالت کہ وہ میرے اس طفلانہ پن کو دیکھ کر زیر لب مسکرا دیتا ہے ــــ اور اس سے بھی مجھے کوفت ہوتی ہے۔ یہ ہے وہ کشمکش جس میں مبتلا ہوں۔ اس لئے

چو بصیری از تو می خواہم کشود　　تا بمن باز آید آں روزے کہ بود

بصیریؒ مشہور قصیدہ بردہ کا مصنف ہے جو نبی اکرمؐ کی نعت میں ہے۔ کہتے کہ بصیری کا یہ قصیدہ بارگاہ

رسالتمآبؐ میں مقبول ہوا اور اسے فالج کے مرض سے نجات مل گئی۔ حضرت علامہؒ بحضور رسالتمآبؐ درخواست کرتے ہیں کہ بوصیری کی طرح مجھ پر بھی نگہِ کرم ہو جائے تاکہ مجھے وہ تندرستی دوبارہ مل جائے جو کبھی مجھے حاصل تھی۔

مہرِ تو بر عاصیاں افزوں تر است — در خطا بخشی چو مہرِ مادر است

حضورؐ کی نگہِ کرم گنہگاروں پر اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ آپؐ ان کی خطائیں اس طرح بخش دیتے ہیں جس طرح ماں اپنے بچوں کے قصور معاف کر دیتی ہے۔

اس کے بعد آپ جسمانی مرض کو چھوڑ کر پھر اپنے مقصد کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں۔

با پرستارانِ شب دارم ستیز — باز روغن در چراغِ من بریز

میری جنگ ان لوگوں سے ہے جو تاریکیوں میں رہنا پسند کرتے ہیں اور میں انہیں قرآن کی روشنی کی طرف لانا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے میری درخواست یہ ہے کہ میرے چراغِ فکر میں اور تیل ڈال دیا جائے تاکہ اس کی روشنی دائم و قائم رہے۔

اے وجودِ تو جہاں را نو بہار — پرتوِ خود را دریغ از من مدار

"خود بدانی قدرِ تن از جاں بود — قدرِ جاں از پرتوِ جاناں بود" (رومی)

آپؐ پر یہ حقیقت روشن ہے کہ جسم کی قدر جان سے ہوتی ہے اور جان کی قدر و قیمت محبوب کے پرتو سے ہوتی ہے۔ آپؐ میرے محبوب ہیں۔ آپؐ اپنا پرتوِ حیات بخش میری جانِ ناتواں پر ڈال دیجئے۔

تا ز غیر اللہ نہ دارم ہیچ امید — یا مراں شمشیر گرداں یا کلید

میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی اور سے کوئی امید نہ رکھوں۔ اس کے لئے یا تو مجھے (ساز و سامان کی رو سے) اتنی قوت حاصل ہو جائے کہ میں تمام مزاحمات کی رسیوں کو کاٹ پھینکوں۔ اور یا ذہنی طور پر ایسی صلاحیت مل جائے کہ میں ہر عقدۂ مشکل کا حل دریافت کر لیا کروں۔

فکرِ من در فہمِ دیں چالاک و چست — تخمِ کردارے ز خاکِ من نہ رُست

اس میں شبہ نہیں کہ مجھے اس قدر علم و بصیرت عطا ہوئی ہے کہ میں دین کے اسرار و رموز کو خوب سمجھتا ہوں۔ لیکن افسوس کہ میرا عمل قرآن کے معیار پہ پورا نہیں اترتا۔ میں آئیڈیل مومن نہیں بن سکا۔

تیشہ ام را تیز تر گرداں کہ من — محنتے دارم فزوں از کوہ کن

میرے تیشے کو اور تیز کر دیجئے۔ اس لئے کہ میرے رستے میں جو سنگ ہائے گراں ہیں وہ بڑے ہی سخت ہیں۔ انہیں توڑنے کے لئے مجھے کوہ کن سے بھی زیادہ محنت کرنی پڑے گی۔

مومنم، از خویشتن کافر نیم — بر فسانم زن کہ بد گوہر نیم

میں بے عمل تو ضرور ہوں، لیکن اس کے باوجود "مومن" ہوں۔ یعنی میں اپنی خودی کا منکر نہیں ہوں۔ حضرت علامہؒ کا نظریہ یہ تھا کہ خدا کے منکر تو کہیں زیادہ کافر وہ ہے جو اپنی خودی (ذات) کا منکر ہے۔ اسی لئے انہوں نے کہا تھا کہ

شاخِ نہالِ سدرۂ پندارِ خس چمن مشو
منکرِ او اگر شوی، منکرِ خویشتن مشو

بات بے بھی ٹھیک۔ دین کی ساری عمارت انسانی ذات پر ایمان کی بنیادوں پر اٹھتی ہے۔ جو شخص محض جسمانی زندگی ہی کو منتہیٰ سمجھتا ہے، اس کا خدا پر ایمان لانا بے معنی ہے۔ خدا۔ وحی۔ رسالت آخرت پر ایمان کی ضرورت ہی اس لئے پڑتی ہے کہ انسان اس حقیقت پر ایمان رکھے کہ زندگی اسی جسم کی زندگی نہیں۔ جسم کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جسے انسانی ذات کہا جاتا ہے۔ اور مقصد زندگی اس کی نشوونما ہے۔ جو اس حقیقت پر ایمان رکھتا ہے وہ "مومن" ہے۔ اس کا اظہار حضرت علامہؒ نے کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ میری شمشیر اگرچہ اسوقت بڑی زنگ آلود ہے لیکن یہ ہے اصل فولاد کی ساختہ۔ اس لئے اسے آپؐ اپنی توجہات کی سان پر چڑھا دیجئے تاکہ یہ صیقل ہو جائے اور اس کی کاٹ تیز تر ہو جائے۔

گرچہ کشتِ عمرِ من بے حاصل است — چیزکے دارم کہ نامِ او دل است

اگرچہ میری عمر بڑی ناکام گذری ہے لیکن اس کے باوجود میں اپنے سینہ میں ایک متاع عزیز رکھتا ہوں جسے دل کہتے ہیں۔

دارمش پوشیدہ از چشمِ جہاں — کز سُمِ شبدیز تو دارد نشاں

میں اسے دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھتا ہوں، اس لئے کہ اس میں حضورؐ کے عشق کا درد پنہاں ہے۔ (اس پر آپؐ کے گھوڑے کے سُم کا نشان ہے)۔

بندۂ را کو نخواہد ساز و برگ — زندگانی بے حضورِ خواجہ مرگ

وہ غلام جو ساز و سامانِ حیات کچھ نہ چاہتا ہو، اس کی انتہائی آرزو یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت اپنے آقا کے حضور حاضر رہے۔ اگر اسے یہ دولت میسر نہ ہو تو اس کی زندگی موت کے برابر ہوتی ہے۔

اے کہ دادی کُرد را سوزِ عرب — بندۂ خود را حضورِ خود طلب

آپؐ نے کُرد کو سوزِ عرب عطا کر دیا۔ میری التجا یہ ہے کہ آپؐ اپنے اس غلام کو اپنے حضور طلب فرما لیں۔

کہتے ہیں کہ ایک کُرد کو حضورؐ سے والہانہ محبت تھی۔ اس نے ایک دفعہ التجا کی کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں حضورؐ کی محبت کا دعوےٰ کروں لیکن حضورؐ کی زبان (عربی) سے ناآشنا رہوں۔ تذکرہ نویس کہتے ہیں کہ رات کو اس نے یہ دعا کی اور صبح کو وہ عربی زبان میں بے تکلفی سے گفتگو کرنے لگا۔ تصوف کی کتابوں میں اس قسم کے قصے کہانیاں

اکثر ملیں گی۔ شاعر کو تحقیق سے غرض نہیں ہوتی۔ وہ ہر مروج و مشہور حکایت سے فائدہ اٹھا لیتا ہے۔

بندۂ چوں لالہ داغے در جگر دوستانش از غمِ او بے خبر

یہ حضور کا غلام وہ ہے جس کا جگر داغ داغ ہے۔ لیکن جس کے دوست اس کے غم سے بالکل بے خبر ہیں۔

بندۂ اندر جہاں نالاں چوں نے تفتہ جاں از نغمہ ہائے پے بہ پے

وہ غلام جو دردِ فراق سے بنسری کی طرح نالہ فگن ہے۔ اور جس کی جان مسلسل آہ و فغاں سے بالکل سوختہ ہو چکی ہے۔

در بیاباں مشعلِ چوبِ نیم سوز کارواں بگذشت و من سوزم ہنوز

میری حالت اس نیم سوختہ لکڑی کی سی ہے جسے قافلہ اپنے کوچ کرنے کے بعد جنگل میں جلتے چھوڑ گیا ہو۔ قافلہ چلا گیا۔ کوئی اور مونس و غم خوار موجود نہیں۔ اور وہ لکڑی تنہا جلے جا رہی ہے۔

اندریں دشت دورے پہنا دورے بو کہ آید کاروانے دیگرے

اب وہ لکڑی اس انتظار میں ہے کہ شاید اس راستے سے کسی اور کارواں کا گذر ہو۔

جاں ز مہجوری بنالد در بدن

نالۂ من وائے من! اے وائے من!

یہ ہے وہ دردِ فراق جس سے میں مسلسل آہ و فغاں بن چکا ہوں۔ کس قدر جاں گداز ہے میرا یہ درد!!

اس بند پر مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق" کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ فللہ الحمد۔

مفت

دوا برائے۔ دمہ۔ دردِ گردہ و پتھری

ملنے کا پتہ

حاجی محمد دین۔ شیخ آئل کریم فیکٹری۔ متصل گنیش کھوپرا ملز

لارنس روڈ — کراچی

اپنے پتہ کا لفافہ بھیج کر دوا مفت منگا لیں

باب المراسلات

۱۔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا

طلوعِ اسلام کے اگست ستمبر کے مشترکہ شمارہ میں، ہم نے "اورنگ زیب کی روزی" کے سلسلہ میں لکھا تھا کہ جن لوگوں کا وقت ملک و ملت (بلکہ قرآن کے الفاظ میں، انسانیت) کی فلاح و بہبود کے کاموں کے لئے وقف ہو، انہیں اپنی معاش کے لئے، ملک و ملت سے کچھ لے لینا، جرم نہیں۔ اس ضمن میں ہم نے خود نبی اکرمؐ اور خلفائے راشدینؓ کے عمل سے شہادت پیش کی تھی کہ ان کا سارا وقت، قرآن کی تبلیغ۔ جماعت کی تنظیم اور (بعد میں) امور مملکت کی سرانجامدہی میں صرف ہوتا تھا اس لئے انہیں فکرِ معاش سے آزاد کر دیا گیا تھا۔ اس ضمن میں ایک صاحب نے یہ دریافت کیا ہے کہ کیا یہ چیز وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا (۲/۴۱) کے تحت نہیں آجاتی؟ یعنی کیا، قرآنی خدمت کے معاوضہ میں کچھ لے لینا، قرآنی آیات کو بیچنا نہیں؟

پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ اگر اس آیت کا مفہوم یہی لیا جائے تو قرآنی تبلیغ۔ تعلیم۔ قرآنی جماعت کی تنظیم۔ قرآنی معاشرہ کی تشکیل، حتکہ قرآنی مملکت کی تنسیس کے تمام کام بند ہو جائیں، یا کم از کم اطمینان بخش طریقہ سے کبھی نہ چل سکیں۔ اس لئے کہ جو لوگ ان امور کو سرانجام دینے کے قابل ہوں اگر انہیں اپنا وقت اور توانائی حصولِ معاش کے لئے صرف کرنا پڑے تو ان بلند مقاصد کے لئے وقت اور توانائی کہاں سے آئیگی؟ ایسے لوگوں کو فکرِ معاش سے آزاد کر دینا درحقیقت جماعتی زندگی میں تقسیمِ عمل کا تقاضا ہوتا ہے۔ قرآنی مقاصد کی بردمندی کے لئے ایک جماعت وجود میں آتی ہے۔ اس میں مختلف صلاحیتوں کے افراد ہوتے ہیں جن افراد میں تعلیم و تبلیغ و تنظیم و تنسیق کی صلاحیت ہوتی ہے، انہیں وہ جماعت، فکرِ معاش سے آزاد کر دیتی ہے تاکہ وہ اپنا سارا وقت انہی مقاصد کے لئے صرف کر سکیں۔ اس جماعت کی کمائی درحقیقت جماعت کے سارے افراد کی مشترکہ تحویل میں رہتی ہے جسے حسبِ ضرورت صرف کیا جاتا ہے۔ یہی کیفیت قرآنی مملکت کی ہوتی ہے۔ اس میں بھی مملکت کی آمدنی، ملت کی مشترکہ تحویل میں رہتی ہے۔

جسے حسبِ ضرورت صرف میں لایا جاتا ہے۔ اس میں جن لوگوں کے سپرد قرآنی تعلیم و تبلیغ اور نظم و نسق سے متعلق امور کر دیئے جاتے ہیں، وہ جماعت یا امت سے اپنی قرآنی خدمات کا معاوضہ نہیں لیتے۔ وہ ان سے کفاف اس لئے لے لیتے ہیں کہ اپنا سارا وقت ان مقاصد کے حصول کے لئے صرف کر سکیں۔ یہی وہ حقیقت تھی جس کی طرف حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی توجہ ان کے خلیفہ منتخب ہو جانے پر دلائی تھی۔ حضرت صدیق اکبرؓ خلیفہ منتخب ہو جانے کے بعد حسبِ معمول کپڑا بیچنے کے لئے نکلے تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ اب آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ اب آپ کا وقت، آپ کا اپنا نہیں رہا۔ یہ امت کی ملکیت ہو گیا ہے اس لئے آپ کو اس کا حق حاصل نہیں رہا کہ آپ اسے جس طرح جی چاہے صرف کریں۔ حضرت صدیقؓ نے کہا کہ اس صورت میں میری معاش کا کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ اس کی فکر اس امت کو ہوگی جس نے آپ کا وقت لے لیا ہے۔

آیت وَلَا تَشْتَرُوْا .... کا مفہوم اس سے ملحقہ آیت نے واضح کر دیا ہے۔ دونوں آیات ساتھ ملا کر دیکھنے سے بات واضح ہو جاتی ہے۔ پہلے کہا ہے وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ۔ تم میری (خدا کی) آیات کو دنیاوی مفاد کی خاطر مت بیچو (جو ان مقاصدِ عالیہ کے مقابلہ میں جن کی طرف یہ آیات دعوت دیتی ہیں، بہرحال قلیل و کاسد ہیں)، تم قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو۔ اگرچہ اس آیات کے اتنے حصے نے (کہ تم قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو) یہی بات کسی حد تک واضح کر دی ہے لیکن اگلی آیت میں اس کی تشریح آگئی ہے۔ یعنی وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۲/۴۲)۔ تم تلبیسِ حق و باطل نہ کرو۔ حق کو بلا آمیزش پیش کرو۔ اسے باطل کے ساتھ خلط ملط کر کے اس کا نام شریعتِ خداوندی نہ رکھو۔ اور حق کو چھپاؤ نہیں۔ درآنحالیکہ تم جانتے ہو کہ ایسا کرنا کس قدر ظلمِ عظیم ہے۔ یہ ہے آیاتِ خداوندی کا بیچنا۔ یعنی جب کوئی ایسا موقعہ آئے جس میں اپنے (یا اپنے حمایتیوں اور ساتھیوں کے) کسی مفاد پر زد پڑتی ہو، تو اول تو حق کو سامنے نہ آنے دیا جائے اور اگر مجبوراً اسے پیش کرنا ہی پڑے تو اسے بلا آمیزش سامنے لانے کے بجائے باطل کے ساتھ خلط ملط کر کے پیش کر دیا جائے۔ یہ ہے وہ جرمِ عظیم جس سے روکا گیا ہے۔ مذہبی پیشوائیت ہمیشہ یہی کرتی ہے۔ اور چونکہ ایسا کرنے میں ان کے اپنے مفاد کا تحفظ پیشِ نظر ہوتا ہے، اس لئے اسے آیات فروشی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایسا کرنے والا سنگین ترین جرم کا مرتکب ہوتا ہے، خواہ وہ اس کے معاوضہ میں محسوس طور پر کسی سے کچھ بھی نہ لے۔ واضح رہے کہ معاوضہ کی بیسیوں شکلیں ایسی ہیں جن میں بظاہر معاوضہ کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ مثلاً عزت بالاثم یعنی اپنے ایگو کی جھوٹی تسکین۔ تحفظِ پندار وغیرہ۔ لیکن یہ معاوضہ روپے پیسے کے معاوضہ سے کہیں زیادہ وزنی ہوتا ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو گرہ سے روپیہ صرف کر کے اس "معاوضہ" کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لہٰذا دیکھنا یہ چاہیئے کہ کوئی شخص کتمانِ حقیقت اور تلبیسِ حق و باطل تو نہیں کرتا۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو

یہ آیات فروشی ہے، خواہ وہ اس کا معاوضہ نقدی میں وصول نہ بھی کرے۔ اور جو ایسا نہیں کرتا بلکہ بلا آمیزش حق بیان کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو اس مقصد کے لئے وقف کر دیتا ہے تو اس کا اپنی جماعت یا امت سے اپنے کفاف کے لئے کچھ لے لینا، اس آیت کے تحت بالکل نہیں آتا۔ بلکہ وہ اگر فکر معاش کے، نسبتاً پست مقصد کی خاطر ان بلند مقاصد کے لئے اپنے آپ کو وقف نہیں کرتا، تو اس کا یہ فیصلہ درست نہیں ـــ جیسا کہ ہم حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے قصہ میں دیکھ چکے ہیں۔ اس قسم کی جماعت کی عدم موجودگی میں، اگر کوئی شخص اپنے طور پر کسی داعی قرآن کی مدد کرتا ہے۔ اور اس کی وہ مدد اس کی حق گوئی کے راستے میں حائل نہیں ہوتی بلکہ وہ اس کی ممد و معاون بنتی ہے، تو اس قسم کے تعاون یا معاونت کا قبول کر لینا بھی اس آیت کے تحت نہیں آسکتا۔ اس کے برعکس، اگر کوئی شخص جانتے بوجھتے کتمانِ حقیقت یا تلبیس حق و باطل کرتا ہے، اور اسے خود اپنی کمائی سے پیدا کردہ دولت کے ذریعے پھیلاتا ہے، تو یہ بھی آیات فروشی کرتا ہے ـــ اس لئے کہ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، آیات اللہ کی قیمت صرف نقدی میں نہیں لی جاتی۔ اس کی بیسیوں اور شکلیں بھی ہیں۔

۲۔ روس میں سزائیں

سوال۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اگر لوگ فکر معاش سے آزاد ہو جائیں تو جرائم کا ارتکاب نہیں ہوتا یا کم از کم جرائم بڑی حد تک کم ہو جاتے ہیں۔ روس نے اپنے ہاں ایک جدید معاشی نظام رائج کیا ہے جس سے مقصود یہ بتایا جاتا ہے کہ لوگ فکر معاش سے آزاد ہو جائیں۔ کیا اس نظام کی ترویج کے بعد، روس میں جرائم (بالخصوص سنگین جرائم) میں کمی واقع ہو گئی ہے یا ان کی صورت بدستور ہے؟

جواب۔ روس کے صحیح حالات بہت کم باہر آتے ہیں کیونکہ وہاں فولادی پردے لٹکے رہتے ہیں۔ لیکن وہاں کی قانونی حالت کے متعلق جو خبریں باہر آتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سنگین جرائم کی زیادتی ہو رہی ہے۔ یہ نتیجہ اس حقیقت سے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہاں جن جرائم کی سزا موت ہے، ان کی فہرست میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ روس میں ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد سزائے موت منسوخ کر دی گئی تھی کیونکہ اسے زارِ روس کے عہد استبداد کی یادگار سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اس کے چند ہی ماہ بعد (۱۹۱۸ء میں) اس سزا کو پھر رائج کرنا پڑا۔ اسے ۱۹۴۷ء میں پھر منسوخ کر دیا گیا لیکن چند ہی ماہ کے بعد اسے دوبارہ رائج کرنا پڑا۔ اسٹالن کے عہد اقتدار میں ان جرائم کی فہرست بڑھتی گئی جن کی سزا موت تھی۔ ایک وقت میں وہاں اس فہرست میں ۶۴ جرائم مندرج تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد ۱۹۴۷ء میں اسے پھر منسوخ کر دیا گیا لیکن ۱۹۵۰ء میں اسے پھر زندہ کرنا پڑا۔

اسٹالن کی وفات کے بعد (۱۹۵۷ء میں) اس کی توقع تھی کہ شاید یہ فہرست کچھ سکڑ جائے لیکن اس میں مزید وسعت آگئی۔ اسوقت وہاں اکثر جرائم کی سزا موت ہے۔ مثلاً مملکتی یا معاشرتی مقبوضات کی بڑے پیمانے پر چوری۔ سکوں کی جعل سازی۔ منصوبہ بندی سے متعلق امور کے حساب کتاب میں فریب دہی۔ مملکت کے حفاظتی دستوں پر حملہ۔ کرنسی کا غیر قانونی کاروبار۔ زنا بالجبر۔ رشوت۔ اصلاحی اداروں کے کارندوں کا ڈسپلن کا پابند نہ رہنا[1] وغیرہ۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بیشتر جرائم کی وجہ معاشی کشمکش اور دولت کی ناہموار تقسیم ہوتی ہے لیکن جس فلسفہ پر روس کے اشتراکی نظام کی عمارت استوار ہوتی ہے اس کی رُو سے ان کے معاشی نظام میں بھی جرائم میں کمی واقع نہیں ہوسکتی۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ بھوک کی وجہ سے پیدا ہونے والے جرائم میں وہاں کمی ہو جائے ——— اور سزائے موت کے جرائم کی فہرست میں وسعت اس حقیقت پر دال ہے کہ وہاں چھوٹے چھوٹے نہیں بلکہ سنگین جرائم میں اضافہ ہورہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب زندگی کا تصور خالصتہً مادی ہو۔ یعنی اس میں وحی کی رو سے عطا شدہ مستقل اقدار۔ قانونِ مکافات حیات آخرت کا تصور ہی نہ ہو تو پھر کونسا جذبۂ محرکہ جرائم کو روک سکے گا۔ یہ چیز صرف قرآن کے نظام زندگی میں ممکن ہے جس کا اولیں مقصد انسان کے قلب و نگاہ میں انقلاب پیدا کرنا ہوتا ہے۔ معاشی نظام تو اس انقلاب کے ثمراتِ شیریں کا صرف ایک خوشہ ہوتا ہے۔ یہی وہ نظام ہے جس میں سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں نظاموں کی خرابیوں کا ازالہ ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ ہم اکثر کہا کرتے ہیں' سرمایہ داری جذام اور فالج ہے اور اشتراکیت سرسام۔ صحیح انسانی زندگی قرآنی نظام ہی میں حاصل ہوسکتی ہے جس کی بنیاد صحیح تعلیم پر قائم ہوتی ہے۔ فریضۂ رسالت ——— یعلمھم الکتاب و الحکمۃ و یزکیھم کے معنی ہی یہ ہیں۔ یعنی کتاب و حکمت پر مبنی تعلیم اور اس کے نتیجہ میں وہ نظام جس میں ہر فرد کو بھرپور سامانِ نشوونما ملتا جائے۔ یہی ہے وہ نظام جس میں جرائم اس طرح ناپید ہوجاتے ہیں کہ جب عہد صدیقیؓ میں مجسٹریٹ کی اسامی کو تجربتہً وجود میں لایا گیا تو سال بھر کے بعد اسے منسوخ کرنا پڑا کیونکہ اس عرصہ میں کوئی مقدمہ ہی اس کے ہاں پیش نہیں ہوا۔

آپ کو شاید اس کا علم ہو کہ اس وقت دنیا میں سب سے بہتر رفاہی مملکت سویڈن کی ہے جہاں ہر فرد کو سامانِ زیست با فراط حاصل ہے۔ لیکن دنیا میں سب سے زیادہ خودکشی کے واقعات بھی سویڈن میں ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ وہی یورپ کا مادی تصورِ حیات ہے۔

---

[1] ہماری ان معلومات کا ماخذ جرنل اوف دی انٹرنیشنل کمیشن اوف جورسٹس کا ستمبر ۱۹۶۷ء کا شمارہ ہے۔

بچوں کا صفحہ

اپنی غلطی کا اعتراف کرو

یوں تو اسکول میں اور بھی اُستاد تھے اور بچے سب کی عزت کرتے تھے لیکن انہیں جس قدر محبت سلیم صاحب سے تھی اور کسی سے اتنی محبت نہیں تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سلیم صاحب بڑے ہی ہنس مکھ انسان تھے وہ سب بچوں سے اپنی اولاد کی طرح پیار کرتے تھے۔ جونہی وہ کلاس میں قدم رکھتے بچوں کے چہرے خوشی سے تمتما اٹھتے۔ اور وہ سلیم صاحب کی پیاری پیاری اور سبق آموز باتیں سننے کے لئے خاموش ہوکر بیٹھ جاتے۔ ایک دن جب سلیم صاحب کلاس میں داخل ہوئے اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئے تو ارشد اپنی جگہ پہ کھڑا ہوگیا۔ سلیم صاحب سمجھ گئے کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔

"کیوں ارشد میاں کیا بات ہے؟" سلیم صاحب نے بڑے پیار سے پوچھا

جناب آج صبح کسی نے میری انگلش کی نئی کتاب چُرالی ہے" ارشد نے جواب دیا سلیم صاحب کو یہ سُن کر بہت دُکھ ہوا۔ وہ اپنی کرسی سے اُٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ تمام بچوں کی نگاہیں اُن کی طرف اُٹھ گئیں۔ سلیم صاحب نے کہا۔

"بچو! مجھے یہ سنکر بڑا ہی صدمہ ہوا کہ ارشد کی کتاب چُوری ہوگئی ہے۔ چوری کرنا بہت ہی بُرا فعل ہے۔ جن بچوں کو چوری کی عادت پڑ جاتی ہے وہ بڑے ہوکر عادی مجرم بن جاتے ہیں۔ اور پھر ساری عمر جیلوں میں ہی گذارتے ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میں سے جسے ارشد کی کتاب کے بارے میں کوئی بات معلوم ہو وہ مجھے بتا دے۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک میں یہ حکم ہے کہ جو کچھ

تمہیں معلوم ہو صاف صاف بیان کر دو اور کسی کی رعایت کئے بغیر صحیح گواہی دو۔ گواہی کو کبھی نہ چھپاؤ۔

لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ

گواہی کو کبھی چھپاؤ نہیں

جب تم گواہی دو تو کسی کی رعایت نہ کرو بلکہ اپنے اللہ کی طرف سے گواہ بن کر سچی بات کہہ دو۔ (شُهَدَاءَ لِلّٰهِ) تم سچی گواہی دو خواہ وہ خود تمہارے ہی خلاف کیوں نہ جائے (وَلَوْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ)

ابھی سلیم صاحب نے اپنی تقریر ختم بھی نہیں کی تھی کہ اکرم اپنی جگہ پر گردن جھکائے کھڑا ہوگیا۔

"کیوں اکرم تم کیا کہنا چاہتے ہو" سلیم صاحب نے پوچھا

"جناب ارشد کی کتاب میں نے چرائی ہے" اکرم نے گردن جھکائے جواب دیا اور ساتھ ہی آنسوؤں کے دو موٹے موٹے قطرے اس کی پلکوں سے چھلک پڑے۔

سلیم صاحب دوڑتے ہوئے اکرم کے پاس گئے اور بڑے پیار سے اُسے گلے سے لگا لیا۔ اس کو شاباش دیتے ہوئے سلیم صاحب نے کہا "اکرم میں آج تم سے بہت ہی خوش ہوا ہوں۔ تم نے میری کلاس میں ایک عمدہ مثال قائم کر دی ہے۔ مجھے تم پر فخر ہے اور تم اس لائق ہو کہ تمہارے ہم جماعت بچے بھی تم پر فخر کریں اسکے بعد سلیم صاحب نے سب بچوں سے کہا "بچو اکرم نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں خود اپنی ذات کے خلاف گواہی دی ہے۔ اس نے بڑے اونچے اخلاق اور جرأت کا ثبوت دیا ہے۔ انسان سے کبھی نہ کبھی کوئی غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ جب ہم سے اتفاقاً کوئی غلطی سرزد ہوجائے تو ہمیں چاہیئے کہ اس کا سچے دل سے اعتراف کریں اور آئندہ کے لئے اس سے باز رہیں۔ اسی کو توبہ کہتے ہیں۔ تمہیں اکرم کی اس جرأت سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔"

(ظفر قریشی)

کاتب کی ضرورت

ادارہ طلوع اسلام کے لئے ایک مستقل طور پر کام کرنے والے اعلیٰ پایہ کے کاتب کی ضرورت ہے جو نستعلیق اور نسخ دونوں میں عمدہ مہارت رکھتا ہو۔ درخواست مع نمونہ بھیجیے، یا خود آکر ملیئے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام - ۲۵-بی، گلبرگ، لاہور